اذان و اقامت

اور

جماعت و امامت

تالیف و پیشکش

فضیلۃ الشیخ محمد منیر قمر حفظہ اللہ

ترجمان سپریم کورٹ الخبر

وداعیہ متعاون مراکز الدعوۃ والارشاد الدمام

سعودی عرب

ترتیب و تبییض

اُمِ محمد شکیلہ قمر

مکتبہ کتاب و سنت

ریحان چیمہ

ضلع سیالکوٹ

اذان و اقامت
اور
جماعت و امامت

تالیف و پیشکش

فضیلۃ الشیخ مُحمّد منیر قمر حفظہ اللہ

ترجمان سپریم کورٹ الخبر
و داعیہ متعاون مراکز الدعوۃ والارشاد الدمام
سعودی عرب

ترتیب و تبییض

اُمِ مُحمّد شکیلہ قمر

مکتبہ کتاب و سنت
ریحان چیمہ سمبڑیال سیالکوٹ
0300-6439897

نام کتاب	اذان واقامت اور جماعت وامامت
تالیف وپیشکش	الشیخ محمد منیر قمر حفظہ اللہ
ترتیب وتدوین	ام محمد شکیلہ قمر
کمپوزنگ	آنسہ نادیہ قمر
سیٹنگ	حافظ عابد الٰہی تنویر الہدیٰ
طبع اول	جولائی 2009ء - 1430ھ

اہتمام طباعت ———— غلام مصطفیٰ فاروق

سٹاکسٹ ═══ کتاب سرائے

فرسٹ فلور الحمد مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7320318

مکتبہ کتاب وسنت

ریحان چیمہ۔ تحصیل سمبڑیال۔ سیالکوٹ، پاکستان

0300-6439897

Email: m_k_sunnat@yahoo.com

آئینہ مضامین

- ابتدائیہ 9
- اذان واقامت کے مسائل واحکام 12
  - فضائلِ اذان ومؤذّن 12
  - اذان کا جواب دینے کی فضیلت 15
  - اذان کا جواب 16
  - اذان کی دُعا 19
  - اذان کے کلمات 22
  - فجر کی دوآذانیں اور پہلی میں تثویب 26

آدابِ اذان و مؤذِّن 31

① باوضوءاذان 32
② اونچی جگہ پر 33
③ بلند آواز 33
④ قضاءنماز کیلئے اذان 34
⑤ قبلہ رو ہونا 34
⑥ کھڑے ہوکر 34
⑦ دائیں بائیں گھومنا 34
⑧ کانوں میں انگلیاں 35
⑨ اذان پر اجرت 36

⑩ اذان کون کہے؟ 37
○ اذان کا شرعی حکم 41
پہلی دلیل 41
دوسری دلیل 42
تیسری دلیل 42
چوتھی دلیل 43
پانچویں دلیل 43
○ سپیکری درود وسلام وغیرہ 44
سوال 46
جواب 46
سوال 47
الجواب وہوالموفق للصواب 48
از دارالعلوم حزب الاحناف 49
❀ اذان کے بعد مسجد سے بلا عذر نکلنا 50
○ **مسائل اقامت** 51
❀ اذان واقامت کے درمیان وقفہ 51
❀ اقامت کون کہے؟ 53
❀ اکہری اقامت کے کلمات 54
❀ دوہری اقامت 57
❀ اقامت کا جواب 58
❀ نمازِ باجماعت کیلئے کھڑے کب ہوں؟ 59

- نمازِ باجماعت اور امامت 60
  - فضیلتِ جماعت 60
- نمازِ باجماعت کا حکم؟ 63
  - وجوبِ جماعت کے دلائل 63
- جماعت ...... سنّتِ مؤکدہ 66
  - جمہور کے نزدیک 66
  - عورتوں کی نماز باجماعت میں شرکت 69
  - دور اور زیادہ نمازیوں والی مسجد میں نماز کی افضلیّت 72
  - مسجد کی طرف جانے کے آداب 75
- جماعت سے رہ جانے کے جائز عذر 77
- جماعت کیلئے کم از کم تعداد 83
  - صرف ایک مرد 83
  - صرف ایک سمجھدار بچہ 86
  - صرف ایک بیوی 87
- صف بندی 88
  - ایک مرد، بچے اور عورت کی شکل میں صف بندی کی ترتیب 88
  - پہلے ایک پھر دو یا زیادہ مقتدی ہو جانے کی صورت میں طریقِ کار 92
  - صف میں خالی جگہ نہ چھوڑنا 95
  - کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملانا 98
  - ایک اشکال کا ازالہ 102
  - صفیں سیدھی اور برابر کرنے کا حکم اور تاکید 103

❊ خلاء پُر کرنے کا طریقہ 104

○ صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنا اور اگلی صف سے آدمی کھینچنا 106

① اکیلے نماز پڑھنا 106

② آدمی پیچھے کھینچنا 108

❊ آدمی پیچھے کھینچنے کی خرابیاں 109

❊ صف کی دائیں جانب کی فضیلت 111

○ امام و امامت اور مقتدی 112

❊ امام و مقتدی کے مابین کسی چیز کا حائل ہونا 112

❊ آواز پہنچانا 115

❊ بلندی و پستی کا حکم 115

❊ امام کی متابعت اور عدمِ مسابقت 116

❊ دوسری جماعت کا حکم 120

❊ دوبارہ نماز پڑھنا 122

❊ جماعت میں کب شامل ہوں؟ 122

❊ بعد میں شاملِ جماعت ہونے والے کی پہلی اور پچھلی رکعتیں 123

❊ تین مسالک 125

① جمہور اہلِ علم کا مسلک 126

② احناف کا مسلک 129

③ امام مالک و شافعی اور متاخرین احناف کا مسلک 130

❊ تین رکعتیں اور چار تشہد 130

○ پیش امام کیلئے مستحب امور 131

(۱) مختصر قراءت، ہلکی نماز 131
(۲) ارکانِ نماز کی صحیح ادائیگی 133
(۳) سلام پھیر کر مقتدیوں کی طرف رخ کرنا 134
(۴) دوسرے کو امام بنانا 135
○ امامت کی ترتیب 136
① ماہرِ قرآن 137
② ماہرِ سنّت وشریعت 138
③ ہجرت میں سبقت 138
④ عمر میں بزرگی 139
⑤ اسلام لانے میں سبقت 139
ایک وضاحت 140
(۱) نابینا کی امامت 140
(۲) مسافر کی امامت 141
(۳) نابالغ بچے کی امامت 142
پہلا قول 143
دوسرا قول 144
اولاً 144
ثانیاً 144
❁ مُتنفِّل کے پیچھے مُفترِض کی اور مُفترِض کے پیچھے مُتنفِّل کی نماز 146
❁ غلام کی امامت 148
❁ معذور وغیرہ کی امامت 149

امامِ عصر کی اقتداء میں نمازِ ظہر یا امامِ عشاء کی اقتداء میں نمازِ مغرب 150
چند سوالات 150
پہلا قول 150
دوسرا قول 150
تیسرا قول 151
الجواب بعون الوھاب 151
فاسق اور بدعتی کی امامت 151
ناپسندیدہ امام کی امامت 154
بعض دائم المرض لوگوں کی امامت 156
عورت کی امامت 158
کسی مرد کا صرف عورتوں کی امامت کرانا 158
قضاء نماز کی اقامت و جماعت 162
ایک اشکال اور اس کا حل 164
دوسری رائے 168
جب حاضر نماز کی جماعت کھڑی ہو؟ 169
پہلا قول 170
دوسرا قول 171
احکامِ سُترہ 173
نمازی کے آگے سے گزرنے کی حرمت 173
دیگر مسائل و احکام سُترہ 176
کتابیات 181

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

إِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰہِ، نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِيْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ، وَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَہٗ. وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِيْكَ لَہٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ....

أَمَّا بَعْدُ:

قارئینِ کرام! السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ

نماز، اقرارِ توحید ورسالت کے بعد اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر نبیِ اکرم ﷺ نے نمازِ باجماعت کا نظام قائم فرمایا ہے۔ اس نظام کی کئی حکمتیں ہیں مثلاً: افرادِ امت کا روزانہ پانچ مرتبہ احتساب، نمازِ پنجگانہ کی ادائیگی کیلئے ہمت افزائی افرادِ امت کی دینی تعلیم وتربیت اور ایک دوسرے کے حال احوال سے باخبری وغیرہ۔

* نمازِ باجماعت کا حکم کیا ہے؟
* اس کے لیئے صف بندی کا طریقہ وآداب کیا ہیں؟
* امام ومقتدی کی کیا کیا ذمہ داریاں اور فرائض ہیں؟
* انفرادی نماز کیلئے بالعموم اور نمازِ باجماعت کی شکل میں بالخصوص سُترہ کی کیا اہمیت ہے؟
* اور نماز باجماعت سے پہلے آذان واقامت کے مسائل واحکام کیا ہیں؟

اسی قسم کے سوالات کے قرآن وسنت کی روشنی میں جوابات اس زیرِ نظر کتاب میں دیئے گئے ہیں۔

تقریباً ربع صدی قبل متحدہ عرب امارات UAE میں قیام کے دوران اللہ تعالیٰ نے ریڈیو ام القیوین کی اردو سروس سے روزانہ اسلامی پروگرام ''**دین و دنیا**'' پیش کرنے کی توفیق سے نوازا جو چودہ برس تک مسلسل بلا ناغہ نشر ہوتا رہا جس کا دورانیہ 12 تا 15 منٹ ہوا کرتا تھا سوائے جمعہ کے کیونکہ اس دن بعض وجوہات کی بناء پر ہمارے پروگرام کا دورانیہ صرف 6 تا 7 منٹ ہوتا تھا۔

اس پروگرام کے ذریعے اللہ نے اسلام کے مختلف گوشوں پر بالتفصیل گفتگو کرنے کا موقع دیا جن میں سے ہی ''**نماز**'' بھی ہے۔ یہ چونکہ ایمان کے بعد ارکانِ اسلام میں سے اہم ترین رکن ہے اس لئے نماز کے تمام پہلوؤں پر سب سے زیادہ وقت صرف ہوا جو بڑے کتابی سائز کے کم وبیش 3 ہزار صفحات کی شکل اختیار کر گیا جن میں سے دو ضخیم جلدیں ''فقہ الصلوٰۃ'' کے نام سے شائع ہو چکی ہیں اور تیسری کمپوزنگ کے آخری مراحل میں ہے جس کا اگلا مرحلہ طباعت ہے۔

وَفَّقَنَا اللّٰهُ لِإِتْمَامِ طِبَاعَتِهٖ آمین

زیرِ نظر کتاب دراصل متحدہ عرب امارات کے ریڈیو ام القیوین کی اردو سروس سے نشر شدہ ہماری چند ریڈیائی تقاریر پر مشتمل ہے، جنہیں ہماری لختِ جگر ام محمد شکیلہ قمر نے کتابی شکل میں ڈھال دیا ہے۔

فَجَزَاهَا اللّٰهُ خَيْراً وَوَفَّقَهَا وَسَدَّدَ خُطَاهَا

آذان واقامت کے مسائل واحکام والا حصہ ہمارے فاضل دوست حافظ ارشاد الحق صاحب [فاضل مدینہ یونیورسٹی ،مقیم الذید ، شارجہ] کا ترتیب دیا ہوا ہے۔

فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْراً

اسی طرح ہم اپنے اشاعتی ادارہ مکتبہ کتاب وسنت، ریحان چیمہ سیالکوٹ، پاکستان کے مدیر مولانا غلام مصطفیٰ فاروق کے بھی بے حد مشکور ہیں۔ جنہوں نے اس کتاب کی طباعت واشاعت میں بھرپور محنت کی، اور کتاب کو ظاہری ومعنوی محاسن سے آراستہ کیا۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْراً فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ

اللہ تعالیٰ اس کے مولّف ومرتّبین، اورطباعت واشاعت میں تعاون کرنے والے ہمارے دوست جناب عبدالستار راجہ (شركة هونڈا، الدمام) کا اوراس کی اشاعت کیلئے کسی بھی رنگ میں تعاون کرنے والوں کیلئے دنیاوآخرت کی کامیابیوں اور فوز وفلاح کا ذریعہ بنائے۔ اسے شرفِ قبول سے نوازے اورقارئین کیلئے استفادے کا باعث بنائے۔ آمین ثم آمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابو عدنان محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان سپریم کورٹ ،الخبر ١٤٢٩/٨/١٠ھ

و داعیه متعاون ، مراکزِ دعوت و ارشاد ٢٠٠٨/٨/١١ء

الخبر ، الظهران ، الدمام

(سعودی عرب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اذان اقامت کے مسائل واحکام

جہاں نمازِ باجماعت کا اہتمام ہوگا، لازمی بات ہے کہ وہاں اذان واقامت کا اہتمام بھی ضروری امر ہے، لہٰذا ان کے مسائل واحکام کا جاننا بھی ضروری ہے۔

فضائلِ اذان ومؤذّن:

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اگر کبھی مؤذّن موجود نہ ہو اور مسجد میں موجود لوگوں میں سے کسی سے کہا جائے کہ آپ اذان کہہ دیں تو وہ کئی بہانے بناتا ہے، کبھی کہتا ہے کہ مجھے شرم آتی ہے، کبھی کوئی اور بہانا تراشتا ہے، اور ممکن ہے کہ بعض کو اذان و اقامت کی ترتیب اور اس کے الفاظ بھی نہ آتے ہوں جو کہ ایک مسلمان کے لئے بہرحال ایک عجیب بات ہے، کیونکہ اذان واقامت کے الفاظ بڑے مختصر اور آسان ہیں، اور ان کا اجر وثواب بھی بہت زیادہ ہے ۔

نبیٔ اکرم ﷺ کے متعدد ارشادات میں اذان ومؤذن اور اذان کا جواب دینے کے بہت فضائل ذکر ہوئے ہیں، چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتَ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَّلَا شَيْءٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

(بخاری مع الفتح حدیث: ۶۰۹، مشکوٰۃ ۱/۲۰۷) ۔

''مؤذن کی آواز کو جن وانس اور جو چیز بھی سنتی ہے وہ اس کے حق میں قیامت کے دن شہادت وگواہی دے گی۔''

اور نسائی ومسند احمد میں حضرت براءؓ بن عازب رضی اللہ عنہ سے، اور ابن ماجہ وصحیح ابن

حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اَلْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهُ مَدَىٰ صَوْتِهِ وَيَشْهَدُ لَهُ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ))

''مؤذن کی مغفرت ہو جاتی ہے، اور ہر خشک وتر چیز اس کے حق میں گواہی دیتی ہے۔''

(صحیح ابی داؤد: ٤٨٤، صحیح نسائی: ٦٢٦، ابن ماجه: ٧٢٤، صحیح ابن حبان. الموارد: ٢٩٢)

اور نسائی میں آخری الفاظ ہیں :

((وَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ صَلّٰى)).

''اور جتنے لوگ اذان کی آواز سن کر نماز کے لیئے آتے ہیں، ان نمازیوں کے اجر کے برابر اجر مؤذن کو بھی دیا جاتا ہے۔''

(صحیح نسائی حدیث: ٦٢٧، مشکوٰة ٢١١/١).

صحیح مسلم و ابن حبان میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :

((اَلْمُؤَذِّنُ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ)).

''قیامت کے دن مؤذن تمام لوگوں سے لمبی گردنوں والے ہوں گے۔''

(مختصر مسلم: ١٩٧، موارد الظمآن: ٢٩٣)

جبکہ لمبی گردن ہونا حسن و وقار اور سیادت و قیادت کی علامت معروف ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طلوع فجر سے پہلے کسی پر حملہ نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ اذان ہونے کا انتظار کرتے اور اگر کسی جگہ سے اذان کی آواز آجاتی تو حملہ سے رک جاتے ورنہ حملہ کر دیتے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مؤذن کو اللّٰهُ أَكْبَرُ کہتے سنا تو فرمایا: یہ فطرت پر ہے اور جب اسے أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہتے سنا تو

فرمایا:

((خَرَجتَ مِنَ النَّارِ)) .

''تو جہنم سے نکل گیا۔''

(مختصر مسلم : ۱۹۵ ،مشکوٰۃ ۲۰۹/۱)

جبکہ ابو داؤد و ترمذی ،ابن خزیمہ وابن حبان ،مسند احمد ،الام امام الشافعی اور طبرانی کبیر میں ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے آئمہ ومؤذّنین کے لئے یہ دعاء فرمائی:

((اَللّٰھُمَّ أَرْشِدِ الْاَئِمَّۃَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ)) .

''اے اللہ! پیش اماموں کو رشد و ہدایت نصیب فرما اور مؤذّنوں کی مغفرت فرما۔''

(صحیح ابی داؤد :٤٨٦ ، صحیح الترمذی : ۱۷۰ ،وارواء الغلیل ۲۳۱/۱)

اور حد تو یہ ہے کہ صحیح بخاری و مسلم ، نسائی اور دیگر کتبِ حدیث میں ارشادِنبوی ﷺ ہے:

((لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِیْ الْأَذَانِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ،ثُمَّ لَمْ یَجِدُوا اِلَّا أَنْ یُسْتَھِمُوْا عَلَیْہِ لَاسْتَھَمُوْا))

''اگرلوگوں کومعلوم ہوجائے کہ اذان کہنےاور صفِ اوّل میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی فضیلت وثواب کیا ہےتو انہیں قرعہ اندازی کے سوا کوئی چارہ ہی نہ رہےاور وہ قرعہ اندازی کیا کریں۔''

(بخاری : ٦١٥ ، مختصر مسلم : ٢٦٨ ، صحیح نسائی : ٥٢٦ ، صحیح الجامع حدیث : ٥٣٣٩ ،فقه السنه ١١٠/١)

اذان کا جواب دینے کی فضیلت:

اذان کا جواب دینے والے کو بھی بڑے اجر و ثواب کی بشارتیں دی گئی ہیں مثلاً ابوداؤد، نسائی اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ کسی شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت عرض کیا کہ موذّنین تو ہم پر فضیلت لے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((قُلْ كَمَا يَقُولُونَ فَإِذَا انْتَهَيْتَ فَسَلْ تُعْطَ)) .

”تم بھی انہی کی طرح کہتے جاؤ اور جب تم اذان کے الفاظ مکمل کرلو تو اللہ سے جو سوال کرو گے وہ تمہیں دیا جائے گا۔“

(صحیح نسائی : ٦٥٠، مشکاۃ ١/ ٢١٤)

اور نسائی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کی معیّت میں تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اذان کہنا شروع کیا۔ جب وہ خاموش ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ مِثْلَ هَذَا يَقِيناً دَخَلَ الْجَنَّةَ)) .

”جس نے یقینِ قلب کے ساتھ اسی طرح کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔“

(صحیح نسائی : ٦٥٠، مشکاۃ ١/ ٢١٤)

اور صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی احادیث میں اذان کا جواب دینے اور بعد میں دعاء کرنے والے کو بڑے اجر و ثواب کی خوشخبری دی گئی ہے۔ مثلاً صحیح مسلم، ابوداؤد نسائی، ترمذی، مسند احمد اور بیہقی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْراً)) .

”جب تم موذّن کی آواز سنو تو تم بھی اُسی طرح کہتے جاؤ جو وہ کہتا ہے۔ پھر

مجھ پر درود بھیجو، جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا، اللہ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا۔"

اور آگے ارشاد فرمایا :

"پھر میرے لئے وسیلہ کی دعاء کرو۔ اور وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے، جو اللہ کے صرف ایک ہی بندے کو ملے گا۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہو جاؤں۔ پس جس نے میرے لئے وسیلہ کی دعاء مانگی اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔"

(مختصر مسلم: ۱۹۸ ، صحیح ابی داؤد : ۴۹۱ ، صحیح ترمذی : ۲۸۶۰ ، صحیح النسائی : ۶۵۴ ، صحیح الجامع : ۶۱۳ ،مشکاۃ ۲۰۸/۱ ، ارواء الغلیل ۲۵۹/۱)

اذان کا جواب:

صحیح مسلم، ابوداؤد اور بیہقی میں اذان کا جواب دینے کی فضیلت کے علاوہ یہ بھی مذکور ہے کہ اذان کا جواب کیسے دیا جائے؟ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:

جب مؤذن کہے:

اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ

تو تم میں سے بھی کوئی کہے:

اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ

جب وہ کہے:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

تو وہ بھی کہے:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

پھر جب وہ کہے:

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه

تو وہ بھی کہے:

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰه

پھر جب وہ کہے:

حَيَّ عَلٰى الصَّلٰوةَ

تو وہ کہے:

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

پھر جب وہ کہے:

حَيَّ عَلٰى الْفَلَاح

تو وہ کہے:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

پھر جب وہ کہے:

اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ

تو وہ بھی کہے:

اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ

پھر جب وہ کہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهَ

تو وہ بھی کہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهَ

تو: ((دَخَلَ الْجَنَّةَ)).

''وہ جنت میں داخل ہو گیا۔''

(مختصر مسلم (۱۹۹)، صحیح ابی داوٗد (۴۹۵)، مشکوٰۃ: ۱/ ۲۰۸، الارواء: ۱/ ۲۵۸)

قابلِ توجہ بات صرف اتنی سی ہے کہ اذان کا جواب وہی کلمات دہرانا ہے جو مؤذن کہتا ہے سوائے اس کے کہ جب وہ

(حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ)

دو دو مرتبہ کہے تو جواب دینے والا اس کی بجائے دو دو مرتبہ ہی:

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہے گا۔

اب رہا معاملہ آذانِ فجر کے کلمات:

الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

کا، ان کے جواب میں کیا کہا جائے گا؟ کتبِ حدیث میں ان کی کوئی صراحت نہیں ملتی، جیسا کہ تلخیص میں حافظ ابن حجرؒ نے، سبل السلام میں امیر صنعانی نے اور تحفۃ الاحوذی میں علّامہ مبارکپوریؒ نے لکھا ہے۔

(التلخیص: ۱/ ۷۹، سبل السلام: ۱/ ۱۲۷، تحفۃ الاحوذی: ۱/ ۶۱۶۔ مدنی).

البتہ صحیح مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، مسند احمد اور بیہقی میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ))

''جب تم مؤذّن کو سنو تو وہی کہو جو وہ کہتا ہے۔''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ:

الصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

کے جواب میں یہی کلمات دہرائے جائیں۔ جیسے دیگر کلمات کا حکم ہے سوائے حیعلتین کے، ان کے جواب میں:

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

کہنا صحیح مسلم اور دیگر مذکورہ کتبِ حدیث میں نبی ﷺ کے حکم سے ثابت ہے اور الفقه علىٰ المذاهب الأربعة میں علّامہ جزیری رحمہٗ اللہ نے اور حنفیہ وشافعیہ و حنبلیہ کی کتبِ فقہ میں جو لکھا ہے کہ:

الصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

کے جواب میں:

صَدَقْتَ وَ بَرَرْتَ

''تو نے سچ کہا اور نیکی کا کام بتایا۔''

کہنا مستحسن یا مستحب ہے۔

(الفقه علىٰ المذاهب الأربعة: ۱/ ۳۱۸)

اِن کلمات کا استحباب و استحسان معلوم نہیں کیسے اخذ کیا گیا ہے؟ جبکہ نبی اکرم ﷺ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی سے بھی ثابت نہیں ہیں۔

اذان کی دُعا:

اذان سُننے اور اس کا جواب دینے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ایک دُعا سکھلائی ہے جس کا بہت زیادہ اجر و ثواب بھی بتایا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، مسند احمد اور بیہقی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''جوشخص اذان سُننے کے بعد یہ دعاء کرے اس کیلئے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہوگئی۔''

وہ دعاء یہ ہے:

((اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ آتِ مُحَمَّداً الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَّحْمُوْداً الَّذِيْ وَعَدْتَّہٗ)) .

(بخاری (٦١٤)، صحیح ابی داؤد (٤٩٦) ، صحیح الترمذی (١٧٤) ، صحیح نسائی (٦٥٦) ، ابن ماجۃ (٧٢٢)،الارواء ١/ ٢٥٩ ، ٢٦٠) .

دعاءِ اذان کا صحیح ترین صیغہ اور الفاظ صرف یہی ہیں۔اور اس پر جو اضافے کئے گئے ہیں وہ شاذ اور مدرج ہیں۔لہٰذا صرف انہی الفاظ پر اکتفاء کرنا ہی اولیٰ ہے۔اور وہ اضافے کیا ہیں:

''پہلا یہ کہ شرح معانی الآثار کی روایت میں آتِ مُحَمَّداً کی بجائے آتِ سَیِّدَنَا مُحَمَّداً کے الفاظ ہیں۔ یہاں سیّد ثابت نہیں ہے بلکہ مدرج ہے اور عمل الیوم و اللیلۃابن السنی میں الوسیلۃ و الفضیلۃ کے بعد والدرجۃ الرفیعۃ کے الفاظ بھی ہیں یہ بھی مدرج ہیں اور نبیٔ اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔جیسا کہ تلخیص میں حافظ ابنِ حجر نے اور '' المقاصد الحسنۃ'' میں امام سخاوی رحمہما اللہ نے کہا ہے۔''

(الارواء :١/ ٢٦١ ، تحقیق مصابیح السنۃ : ١/ ٢٧٢)

ملّا علی قاری حنفی رحمہ اللہ نے مرقاۃ میں امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے ان الفاظ کا اضافہ کسی روایت میں نہیں دیکھا۔

(تحفۃ الاحوذی : ١/ ٦٢٤)

اورالمحرر میں رافعی نے اس دعاء کے آخر میں یَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ کے الفاظ بھی ذکر کیئے ہیں مگر یہ بھی طُرقِ حدیث میں کہیں مذکور نہیں ہیں۔اور بیہقی میں اس دعاء کے آخر میں اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ کے الفاظ بھی ہیں۔جبکہ تمام کتبِ حدیث اور بخاری کے صحیح ومتداول نسخ میں ان کا ذکر بھی نہیں۔صرف تور بشتی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔اوران کلمات کے شائد شاذ ہونے کی وجہ سے شارح بخاری حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے انہیں ذکر ہی نہیں کیا۔لہٰذا محدّثین نے اس اضافے کو بھی شاذ قرار دیا ہے۔ (الارواء: ۱/ ۲۶۰، ۲۶۱)

اذان کی دعاء کے سلسلہ میں ہی یہ بھی عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ صرف ایک ہی دعاء کرتے ہیں۔حالانکہ ایک چھوٹی سی دعاء اور بھی ہے جس کا بہت اجر و ثواب بتایا گیا ہے۔چنانچہ صحیح مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو اذان سن کر یہ دعاء کرے،اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اوراس دعاء کے الفاظ یہ ہیں:

((أَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبّاً وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْناً)) .

(صحیح مسلم:۳۸٦،ترمذی مع التحفہ ۱/۶۲۱، مشکوٰۃ : ۱/ ۲۰۹)

اذان کے وقت کو دعاء کی قبولیّت کا وقت بتایا گیا ہے۔لہٰذا اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے جیسا کہ ابو داؤد و دارمی اور مستدرک حاکم میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ [أَوْقَلَّمَا تُرَدَّانِ] اَلدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَآءِ وَ عِنْدَ الْبَأْسِ حِیْنَ یُلْحِمُ بَعْضُهُمْ بَعْضاً))

''دواوقات کی دعاء رد نہیں ہوتی [یا کم رد ہوتی ہے] اذان کے بعد کی دعاء اور معرکہ حق وباطل کے دوران کی دعاء جبکہ لوگ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوتے ہیں۔''

(مشکوٰۃ :۲۱۲/۱، صحیح الجامع : ۳۰۷۹)

جبکہ ابوداؤد، ترمذی اور مسند احمد میں بھی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَا یُرَدُّ الدُّعَاءُ بَیْنَ الْأَذَانِ وَ الْإِقَامَةِ))

''اذان واقامت کے درمیان کی گئی دعاء رد نہیں ہوتی۔''

(ترمذی مع التحفه ۶۲۵/۱، مشکوٰۃ ۲۱۲/۱)

اذان کے کلمات:

اذان کے کلمات تو معروف ہیں۔اور کتبِ حدیث میں سے صحیح مسلم اور نسائی میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے بہ نفسِ نفیس مجھے اذان سکھائی اور فرمایا کہ یہ کہو:

((اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه))

اور پھر دوبارہ یہ کہہ:

((أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ))

(مسلم و نسائی ، مشکوٰۃ ۱ / ۲۰۲ ، المنتقی مع النیل ۱ / ۲ / ۴۳)

یہاں یہ چیز پیشِ نظر رہے کہ شہادتین کو دہرایا گیا ہے۔ اور اسے ترجیع کہا جاتا ہے اور یہ طریقہ صحیح وثابت ہے۔ امام مالک وشافعی اور جمہورِ علماء اسی حدیث کے پیشِ نظر اذان میں ترجیع کی مشروعیّت کے قائل ہیں ، اور امام ترمذی کے بقول اہلِ مکہ کا عمل اسی پر ہے۔

امام نوی رحمہٗ اللہ نے شرح مسلم میں اور علاّمہ مبارکپوری نے تحفہ الاحوذی میں اہلِ مدینہ اور سائر الأمصار (تمام شہروں) کا عمل بھی اسی کے مطابق ذکر کیا ہے۔ صحیح مسلم ونسائی کی مذکورہ حدیث اور اذان کی ترجیع کی تائید ابو داؤد وترمذی ، ابنِ ماجہ اور دیگر کتبِ حدیث میں مذکور صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا بلاوجہ ترجیع کے جواز ومشروعیّت کا انکار درست نہیں ہے۔ علاّمہ خلیل احمد سہارنپوری نے بذل المجہود اور علاّمہ انور شاہ کاشمیری نے "العرف الشذی" میں ترجیع والی احادیث کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ (للتفصیل : تحفه الاحوذی : ۱ / ۵۶۹ تا ۵۷۵)

جب ترجیع کے ساتھ اذان کہی جائے تو اس میں پہلے شہادتین کو ذرا آہستہ آواز سے کہا جاتا ہے۔ اور دوسری مرتبہ زور سے اور کھینچ کر کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد میں متعدد طُرق سے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے ہی ثابت ہے۔

(صحیح ابی داؤد : ۴۷۲ ، ۴۷۵ ،مشکوٰۃ ۱ / ۲۰۳ و صححه الالبانی بکثرۃ طرقه)

اذان کا دوسرا طریقہ وہی ہے جو کہ عام طور پر معروف ہے یعنی مذکورہ تمام کلمات سوائے ترجیع کے۔ اور شہادتین کو دھرائے بغیر بلاترجیع اذان کا ثبوت ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی اور دیگر کتبِ حدیث میں حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکور ہے۔

(المنتقی ١/١/٣٥،٣٦ ترمذی مع التحفه ١/ ٥٨٠ ، ٥٥٦ ،صحیح ابی داؤد : ٤٦٩ ، ابن ماجه : ٧٠٦، مشکوٰۃ ١/ ٢٠٥) .

یہ تو عام طور پر ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی اذان ہوئی ۔ جبکہ فجر کی اذان میں حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد دو مرتبہ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہا جاتا ہے۔ اور ان کلمات کو تثویب کہا جاتا ہے۔ جن کا ثبوت ابوداؤد اور ابنِ حبان میں حضرت ابو محذورہ ﷜ سے مروی اس ارشادِ نبوی ﷺ میں مذکور ہے جس میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

((فَإِنْ كَانَ صَلٰوةُ الصُّبْحِ قُلْتَ: الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ، الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ . اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه))

(صحیح ابی داؤد : ٤٧٢ ، موارد الظمآن : ٢٨٩ ،مشکوٰۃ ١/ ٢٠٣ و صححه الالبانی)

”جب فجر کی اذان ہو تو (حیعلتین کے بعد) کہو: الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ، الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اور پھر آخر میں: اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه“

جبکہ صحیح ابن خذیمہ ، دارقطنی اور بیہقی میں حضرت انس ﷜ سے بھی یہ کلمات مروی ہیں ۔ اور ترمذی وابن ماجہ میں حضرت بلال ﷜ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ میں بھی ان کلماتِ تثویب کا ذکر آیا ہے۔

(ترمذی : ١٩٨ ، ابن ماجه : ٧١٥ ،مشکوٰۃ ١/ ٢٠٤)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابن مبارک رحمہ اللہ نے تثویب انہی کلمات کو کہا ہے۔ اور اہلِ علم نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔

(ترمذی مع التحفه ١/ ٥٩٢ تا ٥٩٥ ، صحیح ترمذی : ١٦٥ ،نیل

الاوطار ۱/۲/۱ ۳۸)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ کلمات خود نبی اکرم ﷺ کے تعلیم فرمودہ ہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ الفاظ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے اضافہ کردہ ہیں یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اور موطأ امام مالک میں ان کلمات کی نسبت جس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف کی گئی ہے، محدثین کرام کے نزدیک وہ روایت معضل یا مرسل ہونے کی بناء پر ضعیف ہے۔ (مشکوٰۃ ۱/۱ ۲۰۶)

اس مذکورہ تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اذان کے کلمات یہی ہیں۔ ان کے آگے پیچھے یا درمیان میں دوسرے کوئی کلمات کسی صحیح حدیث سے نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔ اور اگر (حَيَّ عَلَى خَيْرِ الْعَمَلِ یا دوسرے) کوئی کلمات کبھی تھے بھی تو وہ منسوخ ہو چکے ہیں کیونکہ صحیحین اور دیگر دواوینِ حدیث میں مذکورہ کلمات کے علاوہ دوسرے کسی قسم کے الفاظ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(للتفصیل : نیلِ الاوطار ۱/۲/۱ ۳۹)

شیعہ حضرات یہ کلمات (حَيَّ عَلَى خَيْرِ الْعَمَلِ) بڑے التزام سے کہتے ہیں۔ حالانکہ اوّل تو یہ کلمات کبھی اذان کا حصہ ہی نہیں رہے۔ اور اگر کبھی رہے بھی تو امام شوکانی کی تحقیق کے مطابق منسوخ ہو چکے ہیں۔ تفصیل نیل الاوطار کے مذکورہ مقام پر دیکھی جا سکتی ہے۔

اسی طرح یہ لوگ تو اذان میں أَشْهَدُ أَنَّ عَلِيّاً وَلِيُّ اللّٰهِ اور وَصِيُّ اللّٰهِ کے کلمات کا اضافہ بھی کرتے ہیں یہ بھی ان کی اپنی ایجاد ہے۔ اور تو اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ بات ثابت نہیں کہ اپنے عہدِ خلافت میں ہی اُنہوں نے کبھی یہ کلمات کہلوائے ہوں۔ اور کتبِ شیعہ بھی ان کے غیر صحیح ہونے پر شاہد ہیں۔ مشہور شیعہ

کتاب ''مَنْ لَا یَحْضُرُہٗ الفَقِیہ'' میں لکھا ہے :

''یہ کلمات اذان کا حصہ نہیں ہیں ۔ اور جو شخص ان کلمات کو جزوِ اذان سمجھ کر اذان میں کہے اس پر اللہ کی لعنت ہے ۔''

(بحوالہ ماہنامہ محدّث لاہور ص: ٦٤ جلد ١٩ شمارہ ٧ بابت رجب ١٤٠٨ھ، ١٩٨٩ء) .

فجر کی دو اذانیں اور پہلی میں تثویب:

اذان بڑے شعائرِ اسلامیہ میں سے ایک اہم شعار ہے ۔ جسے امام شوکانی جیسے بعض اہلِ علم نے واجب، بعض نے سنّتِ مؤکدہ اور بعض نے فرض کفایہ قرار دیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہٗ اللہ نے اسی آخری رائے کو ہی صحیح تر قرار دیا ہے ۔

(الفتاوی ١/٦٧، ٦٨ ـ ٤/ ٢٠ تمام المنہ ص: ١٤٤ ، للتفصیل السیل الجرّار للشوکانی ١/ ١٩٦ ـ ١٩٧ ، الاوسط ٣/ ٢٤) .

صبح کے وقت دو اذانیں ہیں ۔ جن میں سے ایک تو نمازِ فجر کا وقت ہو جانے اور لوگوں کو نماز کیلئے بلانے والی ہے ۔ اور دوسری اس سے کچھ پہلے ہوتی ہے اور ان دونوں آذانوں میں سے دوسری تو عام اور بلا اختلاف معمول بہ ہے ۔ البتہ پہلی اذان پر عمل کم ہو رہا ہے ۔ حالانکہ وہ بھی صحیح احادیث سے ثابت شدہ سنّت ہے ۔ اور نبیِ اکرم ﷺ نے تو صبح کی ان دونوں آذانوں کیلئے الگ الگ مؤذِن مقرر فرمائے ہوئے تھے ۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں حضرت نافع حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں:

((اِنَّ بِلَالًا یُؤَذِّنُ بِلَیْلٍ فَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یُؤَذِّنَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ)) . (ارواء الغلیل ١/ ٣٣٥ـ٣٣٦)

''بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان کہتے ہیں لہٰذا تم (سحری) کھاتے پیتے رہو یہاں

تک کہ ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہ نہ کہیں۔''

اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ دونوں موذنوں کے اذان کہنے میں زیادہ وقفہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ ایسے ہی صحیحین و سنن نسائی ، بیہقی ، مسند احمد اور معانی الآثار طحاوی میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں بھی فجر کے دو الگ الگ مؤذِنوں کا ذکر ہے۔ (بحوالہ سابقہ)

اسی طرح اُنیسہ ، انس، سہل بن سعد اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کی مرویات بھی فجر کی دو آذانوں کیلئے الگ الگ دو موذنوں کا پتہ دیتی ہیں۔

(الارواء ۱/ ۲۳۵ ـ ۲۳۹)

بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ:

((الصَّلٰوۃُ خَیرٌ مِنَ النَّوۡمِ))

''نماز نیند سے بہتر ہے''۔

کے الفاظ پر مشتمل ''تثویب ''کا تعلق پہلی اذان سے ہے نہ کہ دوسری سے جبکہ آج کل یہ مروّج دوسری میں ہی ہے اور ان کلمات کے دوسری اذان کی بجائے پہلی کیلئے ثابت ہونے کے دلائل میں سے کئی احادیث ہیں۔ مثلاً سنن ترمذی میں تعلیقاً اور سنن بیہقی ، مصنّف عبد الرزاق الاوسط ابن المنذر اور معانی الآثار طحاوی میں موصولاً مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((کَانَ فِي الۡأَذَانِ الۡأَوَّلِ بَعۡدَ الۡفَلَاحِ الصَّلٰوۃُ خَیۡرٌ مِّنَ النَّوۡمِ مَرَّتَیۡنِ)) .

''پہلی اذان میں حَیَّ عَلَی الۡفَلَاحِ کے بعد دو مرتبہ الصَّلٰوۃُ خَیۡرٌ مِّنَ النَّوۡمِ کہا جاتا تھا۔''

جبکہ الاوسط میں تو حضرت نافع کے الفاظ ہیں کہ خود حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فجر کی آذانِ اول میں حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہا کرتے تھے۔

(الاوسط و تحقيقه ٣/ ٢٢، تمام المنه وقال : اسناده حسن ص: ١٤٦)

اس تثویب کے آذانِ اول میں ہونے کے ایک دوسرے راوی حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، ان سے اگرچہ ایک روایت میں مطلق صبح کی نماز کی اذان میں ان الفاظ کا کہنا بھی مروی ہے جیسا کہ ابوداؤد و مسند احمد کے حوالہ سے فقہ السنہ میں حدیث نقل کی گئی ہے۔ جس میں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے ہیں کہ: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اذان کا طریقہ سکھلائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان سکھلائی جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَـاِنْ صَلٰوةُ الصُّبْحِ قُلْتَ: الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ، الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ))

(الاوسط و تحقيقه ٣/ ٢١، تمام المنه ص: ١٤٧)

”اگر صبح کی نماز ہو تو اذان میں یہ کہو: الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ، الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ“

اب اس حدیث میں تو مطلق صبح کی نماز کہا گیا ہے جبکہ خود حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک دوسری حدیث مروی ہے جو کہ ابو داؤد ، نسائی ، دار قطنی ،الاوسط ، مصنف عبد الرزاق، معانی الآثار طحاوی اور دیگر کتب حدیث میں ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((وَ اِذَا أَذَّنْتَ بِالْأَوَّلِ مِنَ الصُّبْحِ فَقُلْ: الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ ،

النَّوْمِ، الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ))

(سبل السلام ١/ ١١٩)

"جب تم صبح کی پہلی اذان کہو تو یہ بھی کہو : الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" .

اور نسائی کے الفاظ ہیں:

((الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ، الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ فِي الْأَذَانِ الْأَوَّلِ مِنَ الصُّبْحِ)) .

(تمام المنه حواله سابقه) .

اور معنیٰ ان الفاظ کا بھی وہی ہے جو کہ سابقہ الفاظ کا ہے۔

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ والی اس دوسری روایت ، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی روایت سے معلوم ہوا کہ یہ تثویب دراصل دوسری اذان میں نہیں بلکہ پہلی میں ہونی چاہئے اور جس روایت میں مطلق صبح کی اذان میں ہونا مذکور ہے، اس کے اطلاق کی ان احادیث سے تقیید ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اطلاق صبح کی دونوں آذانوں کو شامل ہے جبکہ ان احادیث کی رو سے وہاں دوسری اذان مراد ہی نہیں ہے۔

بلوغ المرام کی شرح سبل السلام میں علامہ صنعانی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے کہ (حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ والی) اس دوسری روایت میں دیگر روایات میں وارد شدہ اطلاق کی تقیید ہے۔ اور آگے ابنِ رسلان سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا:

"اس روایت کو امام ابن خذیمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ابنِ رسلان نے کہا ہے کہ تثویب کی مشروعیّت فجر کی آذانِ اوّل میں ہے کیونکہ وہی تو سوئے ہوئے لوگوں کو جگانے کیلئے ہے جبکہ دوسری اذان تو فجر کا وقت ہونے کی

اطلاع اوراس کی طرف دعوت کی خاطر ہوتی ہے۔''

سنن کبریٰ نسائی میں سفیان عن ابی جعفر عن ابی سلیمان کے طریق سے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں :

((کُنتُ أُؤَذِّنُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَكُنتُ أَقُولُ فِي أَذَانِ الْفَجْرِ الْأَوَّلِ :حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ)) (صحیح نسائی حدیث : ٦٢٨)

''میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موذّن تھا۔پس میں فجر کی پہلی اذان میں یہ کہا کرتا تھا :حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ،حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ،الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ''

اس روایت کی سند کو علامہ ابنِ حزم نے صحیح قرار دیا ہے۔

ایسے ہی سنن کبریٰ بیہقی میں بھی ہے جس میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صبح کی پہلی اذان میں تثویب کہا کرتے تھے۔(جیسا کہ حدیث گزری ہے)۔

آگے علامہ صنعانی فرماتے ہیں:

''ان احادیث کی بناء پر الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے الفاظ نماز کیلئے بلانے اور اس کا وقت ہوجانے کی خبر دینے والی (دوسری) اذان کیلئے مشروع نہیں ہیں۔ بلکہ یہ الفاظ تو سوئے ہوئے کو جگانے کیلئے دی جانے والی اذان (اوّل) میں کہنے مشروع ہیں۔'' (سبل السلام ١/ ١١٩)

تثویب کے آذانِ اوّل میں ہونے کی بات صرف ابنِ رسلان، امیر صنعانی اور علامہ البانی نے ہی نہیں کہی بلکہ امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں ارشد تلامذہ امام

ابو یوسف اور محمد رحمہ اللہ سے بھی یہی قول ملتا ہے ۔ چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح المعانی میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث جو کہ تثویب کے آذانِ اوّل میں ہونے کے بارے میں صریح ہیں، ان کے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے:

((وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَ أَبِي يُوسُفَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ)) (تمام المنه ص: ۱٤۸)

''امام ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔''

آدابِ اذان ومؤذّن

اب رہی اذان کہنے کے آداب اور مؤذن کے اوصاف کی بات تو اس سلسلہ میں پہلی چیز تو یہ ہے کہ مؤذن کیلئے وہ صفات یا اوصاف ضروری نہیں جو پیش امام کے لئے ہیں۔ مثلاً افضلیّت اور عمر وغیرہ کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((إِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ))

(بخاری مع الفتح حدیث: ٦٢٨، مسلم مع النووی ۳/ ٥/ ۱۷٤)

''جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور سب سے بڑا امامت کرائے۔''

احادیثِ نبویہ سے جن اوصاف کا پتہ چلتا ہے اور اذان کہنے کہ جو آداب سامنے آتے ہیں۔ ان کی قدرے تفصیل یوں ہے:

① باوضوء اذان:

مؤذِن باوضوء ہوکر اذان کہے کیونکہ اذان کے کلمات بھی ذکر ہیں اور ذکر باوضوء ہی اَولیٰ ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں ترمذی وبیہقی میں جو حدیث ہے:

((لَا يُؤَذِّنُ اِلَّا مُتَوَضِّيٌ))

(ضعيف الجامع حديث : ٦٣٣٢)

''متوضیٔ (باوضوانسان) اذان دے۔''

یہ محدّثین کرام کے نزدیک ضعیف ہے۔

(الارواء ١/ ٢٤٠ ، تحفه الاحوذی ١/ ٥٩٩)

یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم میں دونوں طرح کی آراء موجود ہیں ۔ امام شافعی ، امام اسحاق ابن راہویہ، امام عطاء اور بعض دیگر اہلِ علم کے نزدیک بلاوضوء اذان کہنا مکروہ ہے۔ اور امام بخاری رحمہٗ اللہ نے امام عطاء رحمہ اللہ کے قول: (اَلْوُضُوْءُ حَقٌّ وَ سُنَّةٌ) کو تعلیقاً ذکر کیا ہے اور امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے جبکہ امام سفیان ثوری، ابن المبارک، احمد بن حنبل، مالک، ابراہیم نخعی رحمہم اللہ اور احناف کے نزدیک بلاوضوء اذان کہنے کی اجازت ہے۔

(بخاری مع الفتح ٢/ ١١٤ ، ترمذی مع التحفه ١/ ٥٨٩- ٦٠١)

مذکورہ حدیث کے بعض شواہد بھی ہیں۔ ایک تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تلخیص میں بیہقی اور الافراد دار قطنی کے حوالہ سے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے۔ اور دوسرا شاہد امام زیلعی رحمہ اللہ نے نصب الرایۃ میں ابوالشیخ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ ان شواہد کے پیشِ نظر علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مؤذِن کا باوضوء ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔ (تحفه الاحوذی ١/ ٦٠١)

② اونچی جگہ پر:

مؤذِن کسی اونچی جگہ پر کھڑا ہوکر اذان کہے تا کہ آواز دور تک جائے کیونکہ ابوداوَد میں حضرت عروہ بن زبیر ؓ بنی نجّار کی ایک عورت سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتی ہے:

''میرا گھر مسجد کے اردگرد والے تمام گھروں سے اونچا تھا۔ اور حضرت بلال ؓ اس پر کھڑے ہوکر اذان کہا کرتے تھے۔''

مگر آج جہاں جہاں لاؤڈ اسپیکر موجود ہیں۔ وہاں اونچی جگہ پر کھڑے ہونے کی گنجائش بلکہ ضرورت ہی نہیں رہتی۔

③ بلند آواز:

تیسری بات یہ کہ آدمی چاہے تنہا ہی کیوں نہ ہو بلند آواز سے اذان کہے کیونکہ صحیح بخاری، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت ابوسعید ؓ سے عبد اللہ بن عبدالرحمٰن ابوصعصعہ اپنے باپ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:

((فَاِذَا کُنْتَ فِيْ غَنَمِکَ أَوْبَادِیَتِکَ فَارْفَعْ صَوْتَکَ بِالنِّدَآءِ))

''جب تم اپنی بکریوں کے ساتھ یا جنگل میں ہو تو بلند آواز سے اذان کہو۔''

(اور آگے اس کا ثواب بھی بتایا کہ)

''جن وانس میں سے جو بھی تمہاری آواز سنے گا قیامت کے دن تمہارے حق میں شہادت دے گا۔''

(بخاری: ۶۰۹، صحیح نسائی: ۶۲۵، ابن ماجہ: ۷۲۳، فقہ السنہ ۱۱۷/۱)

④ قضاء نماز کیلئے اذان:

اگر کسی کی متعدد یا ایک نماز قضاء ہو جائے یا جمع بین الصلاتین کا ارادہ ہو تو جب نماز پڑھنا ہو پہلے اذان کہے اور پھر اقامت کے ساتھ نماز ادا کرے جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر نبیٔ اکرم ﷺ نے چار نمازیں ادا فرمائیں ۔ یہ حدیث ترمذی نسائی، مسند احمد، بیہقی، ابنِ حبان، ابن خذیمہ اور طیالسی میں مذکور ہے۔

(الارواء ۱/ ۲۵٦ ـ ۲۵۷)

⑤ قبلہ رو ہونا:

مؤذِّن قبلہ رو کھڑا ہو کر اذان کہے کیونکہ نبیٔ اکرم ﷺ کے دونوں مؤذِّن قبلہ رو کھڑے ہو کر اذان کہا کرتے تھے۔ اور یہی طریقہ بالاتفاق مسنون ومندوب ہے۔ البتہ فقہاءِ مذاہبِ اربعہ نے لوگوں کو آواز سنانے کی خاطر گھوم جانے کی بھی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ اذان کا آغاز قبلہ رو ہو کر کرے گا۔

(الفقه علىٰ المذاهب ۱/ ۳۱۷)

⑥ کھڑے ہو کر:

کھڑے ہو کر اذان کہی جائے یہی مسنون ہے۔ امام ابن المنذر رنے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اور اگر عذر ہو تو بیٹھ کر بھی اذان کہی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ بیہقی میں ایک صحابی حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ کا عمل نقل ہوا ہے۔ (ارواء الغلیل ۱/ ۲٤۱)

⑦ دائیں بائیں گھومنا:

ساتواں ادب یہ ہے کہ دورانِ اذان جب حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ کہے تو سر، گردن اور سینے کو دائیں جانب، اور جب حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہے تو بائیں جانب

گھمائے جیسا کہ ترمذی و مسند احمد میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((رَأَیْتُ بِلَالاً یُؤَذِّنُ وَ یَدُوْرُ وَ یَتْبَعُ فَاہُ ھَاھُنَا وَ ھَاھُنَا اِصْبَعَاہُ فِيْ اُذُنَیْہِ وَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِيْ قُبَّۃٍ لَہٗ حَمْرَاء))

(ترمذی مع التحفہ ۱/ ۱۸۹ ـ ۱۹۰ و صححہ الالبانی فی تعلیقہ علی مشکوٰۃ ۱/ ۲۰۶) .

''میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اذان کہتے ہوئے اپنے منہ کو ادھر ادھر پھیر رہے تھے۔ اور ان کی دونوں انگلیاں کانوں میں تھیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے سرخ قبہ میں تشریف فرما تھے۔''

اور گھوم جانے کی کیفیت کے بارے میں امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار ۱/ ۲/ ٤۷ میں بڑی تفصیل ذکر کی ہے۔

⑧ کانوں میں انگلیاں:

آٹھواں ادب یہ ہے کہ بوقتِ اذان اپنے دونوں کانوں میں انگلیوں کے پورے ڈالے رکھے جیسا کہ اسی مذکورہ حدیث میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا طریقہ ذکر ہوا ہے۔ اور کونسی انگلیاں ڈالے؟ اس کی صراحت تو نہیں ملتی البتہ معروف یہی ہے اور فقہاء و آئمہ اور خصوصاً امام نووی رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے کہ وہ انگشتِ شہادت یعنی دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلیاں ہوں۔

(فتح الباری ۲/ ۱۱٦)

ابن ماجہ کی ایک روایت میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس طرح مؤذّن بلند آواز نکال سکتا ہے مگر وہ روایت تو بذاتہٖ ضعیف ہے۔

(حوالہ سابقہ مشکوٰۃ ۱/ ۲۰٦)

لیکن مذکورہ وجہ بلاشبہ معقول ہے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہلِ علم

نے اس چیز کو پسند کیا ہے۔ (ترمذی مع التحفہ ۱/ ۵۹۱)

⑨ اذان اور اجرت:

مؤذِن کے اوصاف و آدابِ اذان میں سے نویں بات یہ ہے کہ مؤذِن ایسا شخص ہو جو اُجرت نہ لے بلکہ لوجہ اللہ یہ فریضہ سرانجام دے۔ کیونکہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے میری قوم کا امام مقرر فرمادیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم ان کے امام ہو اور (نمازوں کے دوران) کمزور نمازیوں کا خیال رکھو۔''

((وَاتَّخِذْ مُؤَذِّناً لَا يَأْخُذُ عَلَـى آذَانِهِ أَجْراً))

(صحیح ابی داؤد: ۴۹۷، صحیح ترمذی: ۱۷۰، ترمذی مع التحفہ ۱/ ۶۱۸، المنتقی مع النیل ۱/ ۲/ ۵۸، مسند احمد ۴/ ۲۱۷، حاکم ۱/ ۱۹۹ تحقیق المصابیح ۱/ ۲۷۵، صحیح نسائی: ۶۴۸، ابنِ ماجہ: ۷۱۴،مشکوٰہ و تحقیقہ ۱/ ۲۱۱)

''تم کسی ایسے شخص کو مؤذِن مقرر کرو جو اذان کہنے پر اجرت نہ لے۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکثر اہلِ علم نے اذان پر اجرت لینے کو ناپسند کیا ہے۔''

(ترمذی مع التحفہ ۱/ ۶۱۹)

نیل الاوطار میں امام شوکانی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ:

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اذان پر اُجرت کی شرط کرنا حرام ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔''

(نیل الاوطار ۱/۲/۱ ۵۹ ، تحفہ الاحوذی ۱/ ۱۹ ۶)

امام شافعی رحمہ اللہ نے کتابُ الاُم میں کہا ہے کہ:

''مجھے محبوب یہ ہے کہ مؤذِّنین لوجہ اللہ اذان کہیں۔''

(النیل ایضاً)

⑩ اذان کون کہے؟

مؤذِّن مرد ہو یا سمجھدار لڑکا۔ عورت کا اذان کہنا بعض اہلِ علم نے مکروہ قرار دیا ہے۔ امام احمد، شافعی اور اسحاق نے کہا ہے کہ اگر صرف عورتوں میں کوئی عورت اذان کہہ لے تو کوئی حرج نہیں۔

(فقہ السنہ ۱/ ۱۲۰)

سننِ بیہقی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً مروی حدیث ہے:

((لَیْسَ عَلَی النِّسَآءِ آذَانٌ وَّلَا اِقَامَةٌ))

''عورتوں پر نہ اذان ہے نہ ہی اقامت۔''

اور اس کی تائید حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مگر ضعیف روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جسے بیہقی وابنِ عدی نے بیان کیا ہے۔ (نیل الاوطار ۱/۲/ ۳۲)

حضرت انس، حسن بصری، ابن سیرین، نخعی، ثوری، مالک، ابوثور رحمہم اللہ اور احناف کا یہی مسلک ہے۔ (فقہ السنہ ۱/ ۱۲۰)

یہاں اس بات کی وضاحت بھی کر دیں کہ فقہ السنہ میں بیہقی سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی اثر بیان کیا گیا ہے۔ اس کی سند کو صحیح لکھا ہے۔ اور یہی بات نیل الاوطار میں امام شوکانی رحمہ اللہ نے لکھی تھی۔ اور ان سے بھی پہلے تلخیص الحبیر (۱/ ۲۱۱) میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے بھی یہی ہوا جبکہ دورِ حاضر کے معروف محدّث علامہ البانی نے

سلسله الاحادیث الضعیفة (۲/ ۲۷۰) اور تمام المنه (ص:۱۵۳) میں اس قولِ تصحیح کو خطا فاحش قرار دیا ہے۔اور اس تصحیح کا سبب اس اثر کی سند کے ایک راوی عبداللہ ہیں۔جو نافع سے بیان کرتے ہیں۔اور العمری (عبد الله بن عمر العمری المکبّر) ہیں نہ کہ عبیداللہ بن عمر۔ مصححین کا یہی وہم اس اثر کی تصحیح کا باعث ہوا۔

اور پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ اثر متن کے اعتبار سے ابن ابی شیبہ (۱/ ۲۲۳) میں ہے۔جس کی سند بھی جیّد ہے۔اس میں وہب بن کیسان کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا:

کیا عورتوں پر بھی اذان ہے؟

تو وہ غضبناک ہوئے اور فرمایا:

(أَنَا أَنْهَىٰ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ).

"میں ذکرِ الٰہی سے روکوں؟ (یعنی میں اذان کہنے سے انہیں کیوں روکوں)"

اور امام احمد رحمہ اللہ نے اسی اثر سے احتجاج کیا ہے۔

(تمام المنه ص: ۱۵۳)

اور اس معاملہ میں وہ امام شافعی و اسحاق رحمہما اللہ کے ہمنوا ہیں کہ عورت کے اذان کہہ لینے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ شروع میں ذکر ہوا ہے۔اور اس کی دلیل ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فعل سے بھی ملتی ہے۔چنانچہ مستدرک حاکم اور انہی کے طریق سے سنن کبریٰ بیہقی، مصنّف عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ (دون امامة النساء) میں مروی ہے:

(اَنَّهَا كَانَتْ تُؤَذِّنُ وَ تَقِيمُ وَتَؤُمُّ النِّسَاءَ وَ تَقِفُ وَسَطَهُنَّ)

(تمام المنه ص: ١٥٣)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اذان کہا کرتی تھیں، اور اقامت کہتیں اور عورتوں کو جماعت کراتی تھیں اور ان کے وسط میں (صف کے اندر) کھڑی ہوتی تھیں۔''

امامت کرانے کے الفاظ ابن ابی شیبہ (٢/ ٨٩) میں ابنِ ابی لیلیٰ کے طریق سے مروی اثر میں بھی ہیں۔ لہٰذا اس اضافے کی متابعت ہوگئی۔ اور یہ دونوں اثر ایک دوسرے کیلئے باعثِ تقویت ہیں۔ مثلاً ایک طریق رائطہ حنفیہ سے بیہقی، دار قطنی اور مصنف عبدالرزاق میں ہے۔ جس میں وہ بیان کرتی ہیں:

(اَنَّ عَائِشَةَ أَمَّتْ نِسْوَةً فِي الْمَكْتُوبَةِ فَأَمَّتْهُنَّ بَيْنَهُنَّ وَسَطاً)

(تمام المنه ص: ١٥٣)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی فرض نماز میں امامت کرائی، اور ان کے وسط میں (صف کے اندر) کھڑی ہوئیں۔''

اس کی سند کو امام نووی رحمہ اللہ نے المجموع (٤/ ١٩٩) میں صحیح کہا ہے۔ نصب الرایة (٢/ ٣١) میں علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے ان کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے۔ البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تلخیص الحبیر (٢/ ٤٢) میں سکوت اختیار فرمایا ہے۔ اور علامہ البانی نے ان کے سکوت کو ہی اقرب قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ مجھے اس کے حالات نہیں ملے۔ (تمام المنه ص: ١٥٤)

مصنف عبدالرزاق، ابن شیبہ اور سنن بیہقی میں اس روایت کی ایک شاہد ہے جس میں حجیرہ بنت حصین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

(أَمَّتْنَا أُمُّ سَلَمَةَ فِي صَلٰوةِ الْعَصْرِ قَامَتْ بَيْنَنَا)

(تمام المنه ص: ١٥٤)

''ہمیں ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نمازِ عصر کی جماعت کرائی اور ہمارے وسط میں کھڑی ہوئیں۔''

ابنِ ابی شیبہ میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ کنیز اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی والدہ خیرہ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:

(أَنَّهَا رَأَتْ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم تَؤُمُّ النِّسَاءَ تَقُوْمُ مَعَهُنَّ فِي صَفِّهِنَّ) (تمام المنه ص ١٥٤)

''انہوں نے ام المؤمنین زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں کی جماعت کراتے دیکھا۔ وہ عورتوں کی صف کے اندر کھڑی ہوئیں۔''

یہ تمام آثار قابلِ عمل ہیں۔ خصوصاً جبکہ ابوداؤد و ترمذی، بیہقی، دارمی، مسند بزار و ابویعلی اور مسند احمد والا ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

((إِنَّمَا النِّسَآءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ)).

''کہ عورتیں مردوں کی ہم جنس ہیں۔''

(صحيح الجامع: ٢٣٢٩، مشكوٰة: ٤٤١)

بھی ان کا مؤید ہے۔ اور ان آثار سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ عورت کے اذان کہنے کے سلسلہ میں امام احمد، شافعی اور اسحاق رحمہم اللہ کا مسلک ہی راجح ہے۔ جبکہ امام شوکانی رحمہ اللہ نے توجوبِ اذان کے دلائل ذکر کر کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے:

''بظاہر عورتیں بھی مردوں کی طرح ہی ہیں کیونکہ وہ مردوں کی ہم جنس ہیں۔

اور جو حکم مردوں کیلئے ہے وہی عورتوں کیلئے بھی۔ اور ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جو ایسی ہو کہ عورتوں پر اذان کے عدمِ وجوب کا ثبوت بن سکے۔ اور جو دلیل وارد ہے، اس کی سند میں دو راوی متروک ہیں۔ جن سے حجت جائز نہیں۔ بہر حال اگر کوئی ایسی دلیل مل جائے جس کی بناء پر عورتوں کو مردوں کے حکم سے الگ کیا جاسکے تب تو ایسا ہی ہے ورنہ پھر وہ مردوں کی طرح ہی اس حکم میں شامل ہیں۔"

(السیل الجرار ١/١٩٦-١٩٧ ، تمام المنه ص: ١٤٤)

اذان کا شرعی حکم

اب رہا معاملہ اذان کے شرعی حکم کا تو امام عطاء، احمد بن حنبل، مالک، مجاہد، اوزاعی اور داؤد رحمہم اللہ اذان کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اور ان کا استدلال متعدد احادیث سے ہے:

پہلی دلیل:

ان کی پہلی دلیل ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ہے جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَامِنْ ثَلاثَةٍ فِيْ قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ وَلَا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلٰوةُ اِلَّا اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ))

(صحیح ابی داؤد : ٥١١ ، صحیح سنن نسائی : ٨١٧ ، مسند احمد ٥/ ١٩٦ ، ابن خذیمه : ١٤٨٦ ، مستدرك حاكم ١/ ٢٤٦ تحقيق المصابيح

۱/ ۳۹٤ ،صحیح الجامع : ۵۷۰۱)

''اگر کسی گاؤں میں یا صحراء میں تین آدمی ہوں اور وہ اذان واقامت کہہ کر جماعت سے نماز ادا نہ کریں تو ان پر شیطان غالب آجاتا ہے۔ پس تم پر جماعت لازم ہے اور تنہا بکری کو تو بھیڑیا کھا جاتا ہے۔''

اور مسند احمد کے الفاظ ہیں :

((مَامِنْ ثَلاثَةٍ لا يُؤَذِّنُوْنَ وَلا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلٰوةُ...))

(المنتقی ۱/۲/۳۱)

دوسری دلیل:

صحیحین میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :

((إِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ))

(بخاری : ٦٢٨ ، مسلم مع النووی ۳/ ۵/ ۱۷٤ ،المنتقی ۱/۲/۳۲) .

''جب نماز کا وقت ہو جائے تو ایک شخص اذان کہے۔ اور تم میں سے بڑا تمہیں جماعت کرائے۔''

تیسری دلیل:

بخاری و مسلم ہی کی حدیث ہے کہ:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دوہری اور اقامت اکہری کہنے کا حکم فرمایا۔''

اور حکم وجوب کیلئے ہوتا ہے۔

چوتھی دلیل:

ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی اور مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے جس میں ہے:

((ثُمَّ أَمَرَ بِالتَّأْذِيْنِ))

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کہنے کا حکم فرمایا۔''

پانچویں دلیل:

بعض دیگر احادیث کے علاوہ پانچویں دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تادمِ واپسیں اذان پر دوام اختیار فرمانا بھی ہے۔

(نیل الاوطار ۱/۲/۳۳۔ ۳۶، فتح الباری ۲/۷۹)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے سنّت قرار دیتے ہیں۔ اور ان کا استدلال اسی حدیث سے ہے جس میں مذکور ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مزدلفہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا اذان صرف اقامت سے نمازِ مغرب وعشاء ادا فرمائیں۔ جبکہ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں بھی دو آذانوں اور دو اقامتوں سے نمازیں ادا فرمائیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اذان سنّتِ مؤکدہ اور واجب علی الکفایہ ہے اور بعض نے فرض کفایہ کہا ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرح اذان سنّت ہے جبکہ اصحابِ شافعی میں سے بعض نے اسے سنّت، بعض نے فرض کفایہ اور بعض نے جمعہ کیلئے فرض کفایہ اور باقی نمازوں کیلئے اسے سنّت قرار دیا ہے۔ (نیل الاوطار ۱/۲/۳۲)

بہر حال اذان ایک اہم ذکر اور شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ اور کوئی شخص چاہے اکیلا ہی کیوں نہ ہو، احادیث سے اس کے اذان کہہ کر نماز پڑھنے اور نبی اکرم ﷺ کے اس کی تحسین کرنے کا پتہ چلتا ہے۔ اگر صرف دو آدمی ہوں تب بھی ایک اذان کہے اور بڑا امامت کرائے۔ اور تین ہوں مگر اذان واقامت اور جماعت کا اہتمام نہ کریں تو ان پر شیطان کے غالب آجانے کی نبی اکرم ﷺ نے خبر دی ہے۔ ان سب امور سے اذان کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ بلکہ وجوب کے قول کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے۔

سپیکری درودوسلام وغیرہ

اذان کے ضروری مسائل تو قدرے اختصار سے آپ کے سامنے آگئے۔ اور اقامت کے مسائل سے پہلے ہم یہاں ایک اہم بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ مسائلِ اذان کی تفصیل میں آپ نے کتنی زیادہ احادیث پڑھی ہیں مگر کیا کسی ایک میں بھی یہ ذکر آیا ہے کہ اذان سے متصل پہلے صلوٰۃ و سلام بھی خوب راگ لگا کر پڑھا جائے۔ ہر گز نہیں۔ صلوٰۃ وسلام اور درود شریف کے فضائل و برکات اپنی جگہ مگر عین اذان سے پہلے اس طرح انہیں پڑھنا کہ گویا یہ اذان کا ہی کوئی حصہ ہیں، یہ قطعاً ناجائز اور صریحاً بدعت ہیں۔ اور یہ تقسیمِ پاک و ہند کے بعد ایجاد ہونے والی بدعت ہے، عمر رسیدہ لوگ اس کے گواہ ہیں۔ اور خاص طور پر جب سے مساجد میں لاؤڈ سپیکر عام ہوئے ہیں۔ یہ سلسلہ بھی زوروں پر آگیا ہے۔ اس اعتبار سے اسے ''سپیکری درودوسلام'' بھی کہا جا سکتا ہے۔

حنبلی وشافعی، مالکی حتیٰ کہ خود احناف کا دیوبندی مکتبِ فکر بھی اس کا قائل وفاعل نہیں۔ صرف بریلوی مکتبِ فکر کے لوگ اس ایجادِ نو کو اپنائے رکھنے پر مصر نظر آتے

ہیں۔اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے بھی کتنے ہی علماء اس کو بدعت قرار دے چکے ہیں۔اور صرف کم پڑھے لکھے لوگوں کی بھیڑ ہے جو ماننے کیلئے تیار نہیں۔تو آیئے آپ کی خدمت میں صرف احناف کے بریلوی مکتبِ فکر کے بعض علماء کی تصریحات بھی پیش کرسنادیں:

مرکز سوادِاعظم اہلِ سنّت والجماعت آستانہ عالیہ چشتیہ صابری دارالحق ٹاؤن شپ سکیم لاہور کی طرف سے آٹھ صفحاتی پمفلٹ شائع ہوا تھا جس کا عنوان ہے:

''اذان سے قبل صلوٰۃ ،تسمیہ (یعنی بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا) اور تعوّذ (اعوذ باللہ) بلند آواز سے پڑھنا غیر مشروع، ناجائز اور بدعت ہے۔''

یہ تو عنوان ہے اور اسی پمفلٹ میں بریلوی مکتب فکر کے علماء اور پیر حضرات کے فتاوے ہیں۔جس میں آستانہ عالیہ علی پور کے پیر جماعت علی شاہ صاحب، مفتی محمد حسین نعیمی، مرکز اہلسنّت والجماعت دار العلوم حزب الاحناف لاہور، اور اس مکتبِ فکر کے بانی مبانی مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے فتاویٰ درج ہیں۔جن کا خلاصہ تو مذکورہ عنوان میں ہی آگیا ہے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں تاہم مذکورہ پمفلٹ بلفظہٖ یہ ہے:

اذان سے قبل صلوٰۃ ،تسمیہ، تعوّذ بلند آواز سے پڑھنا غیر مشروع، ناجائز اور بدعت ہے

ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور ترجمان آستانہ عالیہ علی پور شریف، مؤسس اعلیٰ حضرت امیرِ ملت مجدّد العصر جناب قبلۂ عالم پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمہ اللہ، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ، امام اہلِ سُنّت مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد حسین نعیمی جامعہ نعیمیہ لاہور، مرکز اہل سُنّت والجماعت دار العلوم حزب الاحناف داتا گنج بخش روڈ لاہور کے فتاویٰ۔

سوال

آج کل ہم اہلِ سنّت والجماعت کی تمام مساجد میں بآوازِ بلند اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔اور بعض مؤذّنین صلوٰۃ وسلام سے بھی پہلے (أعُوذُ بِاللّٰہِ)اور (بِسْمِ اللّٰہِ)اورآیت ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْکَرِ﴾ یا کوئی اور آیت پڑھتے ہیں، پھر صلوٰۃ وسلام،اور پھر اذان پڑھتے ہیں،کیا یہ جائز ہے؟

جواب

اذان سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا مشروع نہیں ہے۔اس کا حکم قرآن شریف کے ساتھ مخصوص ہے،یعنی جب قرآن شریف پڑھنا چاہو تو اعوذ باللہ پڑھ لو،اس کے سوا کسی چیز سے پہلے یہ پڑھنے کا حکم نہیں۔بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ہر نیک کام کے اوّل میں پڑھنا باعثِ برکت ہے لیکن اونچی آواز سے اور مزید برآں لاوڈ سپیکر میں پڑھنا ،سپیکر میں پڑھنا فضول ہے آہستہ سے پڑھنا کافی ہے۔قرونِ اولیٰ میں بلکہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے کہیں بھی اذان کو اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا معہود نہیں ہے۔ ایسے ہی اونچی آواز سے بالالتزام صلوٰۃ وسلام اذان سے قبل پڑھنا اور اس کو عادت بنانا مشروع نہیں ہے۔دراصل یہ زوائد وہابیوں ، دیوبندیوں کی ضد سے یا نعت خوان قسم کے مؤذّنین نے پیدا کیئے ہیں ،ازمنہ سابقہ میں سب قارئین جانتے ہیں کہ اذان ان زوائد سے خالی ہوتی تھی۔اگر ہمارے علماء عوام کی تائید میں کہ اب وہ اس راستہ پر چل پڑے ہیں غور وفکر سے اس کو جائز ثابت کر بھی دیں تو صرف جائز ہی ہوگا مستحب یا مندوب یا افضل نہیں ہوگا،

باقی رہ گئی یہ بات کہ اس پر ثواب بھی ہوگا، یہ بات تب ہو کہ وہ مستحب ہو۔
اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے اس کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے لکھا:

"اذان کے بعد جو جماعت کا وقت قریب ہو کسی شخص یا مؤذِن کا بطور تثویب کے سلام وصلوٰۃ پڑھنا بہتر ہے یعنی اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی وجہ ہو سکتی ہے پہلے نہیں، اور اس رسم کو جو اسلام میں معہود نہیں جہلاء بڑھاتے چلے جارہے ہیں، اور علماء خاموش ہیں پتہ نہیں کیوں؟ یہ عظیم المیہ ہے۔"

(بحواله انوار الصوفيه علامه غلام رسول ، ماه جنوری ۱۹۷۸ء شماره نمبر ٤)

سوال:

حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب !السلام علیکم ۔گزارش ہے قرآن و سنّت کی روشنی میں ارشاد فرمائیں کہ پانچ وقت نماز کیلئے جو اذانیں دی جاتی ہیں۔ان سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر درود وصلوٰۃ باآوازِ بلند بھیجنا مسنون ومشروع ہے؟ جیسا کہ ہمارے ہاں معمول بنتا جارہا ہے نمازِ فجر سے پہلے ہمارے محلّہ کی مسجد میں سے تین یا ساڑھے تین بجے ہی لاؤڈ سپیکر پر صوفیاء کا کلام یا کوئی اور کلام سنانا شروع کر دیا جاتا ہے۔کبھی کبھی درود وسلام بھی سنایا جاتا ہے۔کیا محلّہ والوں کو تین یا ساڑھے تین بجے ہی جگا دینا اسلامی طریقہ ہے؟ صحیح فتویٰ دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(السائل: محمد حنیف باغبان پورہ جی۔ٹی نمبر۲۵۴۔لاہور)

الجواب وھوالموفق للصواب:

درود شریف پڑھنا مسلمان کیلئے ذریعۂ نجات اور وسیلۂ شفاعت ہے۔قرآنِ

کریم میں واضح طور پر ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ محبت اور عظمتِ رسول ﷺ کیلئے درود شریف پڑھا کریں۔ نماز کے اندر بھی درود شریف پڑھنے کا حکم ہے۔ اس لئے کوئی صحیح العقیدہ مسلمان درود شریف سے گریز نہیں کرتا۔ اور اگر کوئی ایسا کرے تو یہ اس کی بدنصیبی ہوگی، اذان کے کلمات مقرر ہیں۔ ان میں کمی بیشی کرنا یا ان کے آگے پیچھے درود شریف یا قرآنِ کریم کی آیات بلافصل ملانا بدعت اور عباداتِ الٰہی میں خلل ڈالنے کے مترادف ہے۔ اذان کے ساتھ اوّل درود شریف کو لازم قرار دینا یا اہلِ سنّت کا شعار بنانا بھی بدعت اور عباداتِ معہودہ میں تحریف کرنے کی کوشش ہے۔ بہتر یہ ہے کہ درود شریف پڑھنے کی سعادت اگر حاصل کرنی ہے تو اذان سے علیحدہ پڑھی جائے کم از کم پانچ منٹ پہلے پڑھ لی جائے۔ درمیان میں وقفہ دے کر اذان کہیں۔ اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ اذان کے بعد دعاء پڑھ کر درود شریف پڑھیں۔ جب لوگ سوئے ہوئے ہوں یا کسی کام میں مشغول ہوں نمازِ باجماعت سے پہلے قرآنِ کریم یا دورد شریف یا کوئی وظیفہ یا صوفیاءِ کرام کا کلام بلند آواز سے پڑھنا سنّت کے خلاف اور اہلِ اسلام کو پریشان کرنے، ان کو بلاوجہ تنگ کرنے کے گناہ کا ارتکاب ہے۔ بالخصوص فجر سے پہلے لاؤڈ سپیکر پر صوفیائے کرام کا کلام بلند آواز سے پڑھنا غیر مستحسن اور دوسروں کو تکلیف دینے کے مترادف ہے۔ فجر کے وقت سوائے دو سنّت کے نوافل پڑھنے کا حکم بھی نہیں ہے۔ حضور ﷺ نمازیوں کی دشواری کے پیشِ نظر بعض اوقات نماز اور قراءت میں تخفیف کر دیا کرتے تھے۔ امام و خطیب کو ایسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے جس سے اہلِ محلّہ تنگ ہوں جبکہ اس کا عمل سنّت بھی نہ ہو، مستحب بھی نہ ہو۔

واللہ اعلم بالصواب

(مفتی محمد حسین نعیمی جامعہ نعیمیہ، لاہور)

ازدارالعلوم حزب الاحناف:

فجر ہونے سے پہلے لاؤڈ سپیکر پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنا جائز نہیں کیونکہ کاروباری آدمی سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ان کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہے۔درِمختار میں ہے "في حاشية الحموي عن الامام الشعراني "امام شعرانی نے فرمایا ہے:

"مسجدوں میں یا مسجدوں کے علاوہ جماعت کا ذکر کرنا مستحب ہے۔اس میں سلف وخلف کا اجماع ہے۔اگران کا ذکرِ جہر سونے والے پر اور نماز پڑھنے والے پر یا قرآن پڑھنے والے پر شورش ہو تو جائز نہیں۔"

اور اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں بھی قریب قریب ایسا ہی فرمایا ہے لیکن انہوں نے مریض کا ذکر بھی فرمایا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنے میں اگر مریض کے آرام میں خلل آتا ہے تو ذکرِ جہر ممنوع ہے لہٰذا جب فجر طلوع ہو جائے تب لاؤڈ سپیکر پر دورد شریف بلند آواز سے پڑھ سکتے ہیں۔لیکن فجر سے پہلے نہ پڑھیں۔

(مورخہ ۲۲راکتوبر ۱۹۷۸ء)

ہم اہلِ سنّت والجماعت کونئی بات رائج کرنا اس لئے بھی زیب نہیں دیتا کہ ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلّد ہیں۔فقہ حنفی میں اذان کے قبل صلوٰۃ وغیرہ ثابت نہیں ہے تو اب یہ غیر مقلدانہ عمل کرنا دراصل یہ ثابت کرنا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عشق کی اس منزل سے آشنا نہ تھے (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ) جس سے آج کا جاہل عاشق سرشار ہے ۔ع

برایں عقل و دانش بباید گریست!

شائع کردہ: مرکز سوادِ اعظم اہلسنّت والجماعت
آستانۂ عالیہ چشتیہ صابریہ دارالحق
ٹاؤن شپ سکیم، لاہور۔

اذان کے بعد مسجد سے بلا عذر نکلنا:

اذان ہوجانے کے بعد مسجد سے نکلنے کی ممانعت ہے سوائے اِس کے کہ کوئی خاص عذر ہو۔ یا پھر چند لمحات کیلئے نکلنے کے ساتھ جلد واپس لوٹ آنے کا پختہ عزم و ارادہ ہوتو دوسری بات ہے۔ کیونکہ مسند احمد و طیالسی اور معجم طبرانی صغیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا:

((إِذَا كُنْتُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَنُودِيَ فَلَا يَخْرُجْ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُصَلِّيَ))

(مسند احمد: ۲/ ۵۳۷، طیالسی: ۲۵۸۸، معجم طبرانی صغیر ص: ۱۶۸ و صححه الالبانی فی الارواء: ۱/ ۲٦٤)

''جب تم مسجد میں ہو اور اذان ہوجائے تو نماز پڑھنے سے پہلے کوئی مسجد سے نہ نکلے۔''

جبکہ صحیح مسلم اور سنن میں ہے کہ اذان ہونے کے بعد کوئی شخص مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((أَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصٰى أَبَا الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم))

(مختصر مسلم: ۲٤۹، ابو داؤد: ۵۳٦، صحیح ترمذی: ۱٦۸، صحیح نسائی: ٦۵۹، ٦٦۰، ابن ماجه: ۷۳۳، بیهقی: ۳/ ۵٦، مسند احمد: ۲/ ٤۱۰، ارواء الغلیل ۱/ ۲٦۳)

''اس شخص نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔''

مسائل اقامت

اذان واقامت کے درمیان وقفہ:

اذان کے مسائل تو اختصار کے ساتھ ذکر کئے جاچکے ہیں۔ اور اب باری ہے مسائلِ اقامت کی، لہٰذا پہلی بات تو یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کتنا وقفہ ہونا چاہئے؟

اس سلسلہ میں بعض احادیث ملتی ہیں مگر کئی اہلِ علم نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے جبکہ ان کے سببِ ضعف کو امام شوکانی رحمہ اللہ نے اپنی تحقیقِ انیق سے رفع کر کے ثابت کیا ہے کہ وہ ضعیف نہیں۔ اور علامہ ابن حزم اور ابن دقیق العید رحمہما اللہ کی اپنے قول میں تائید اور ان احادیث کی تصحیح کو بھی نقل کیا ہے۔ چنانچہ صحیح ابنِ خذیمہ ، بیہقی ، طحاوی اور ابن ابی شیبہ میں بالصراحت اور ابوداؤد و دارقطنی میں قدرے ابہام والی سند سے مروی ہے اور اس ابہام کو مذکورہ صراحت والی سند نے دور کردیا ہے، ایک انصاری صحابی کسی مؤذِن کے اذان واقامت کہنے کی یہ کیفیت بتاتے ہیں:

((فَأَذَّنَ ثُمَّ قَعَدَ قَعْدَةً ثُمَّ قَامَ فَقَالَ مِثْلَهَا اِلَّا أَنْ يَقُوْلَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ)) (المنتقى و النيل ١/٢/٥٨)

’’ایک آدمی نے اذان کہی پھر بیٹھ گیا۔ اور پھر اٹھا اور اذان جیسے کلمات ہی کہے البتہ اس میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ بھی کہا (یعنی اقامت کہی)‘‘

اس حدیث میں بیٹھ گیا اور پھر اقامت کہی کے کلمات سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اذان واقامت میں کچھ وقفہ ہونا چاہئے۔ اور یہ وقفہ مستحب ہے۔ اور اس وقفے کی مقدار کتنی ہو؟ اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری میں ایک باب مقرر کیا ہے:

(كَمْ بَيْنَ الْآذَانِ وَ الْإِقَامَةِ)

لیکن وہاں بھی کوئی خاص حد مقرر نہیں کی بلکہ دو رکعتوں کے بقدر عرصہ والی احادیث ذکر کی ہیں۔ (بخاری مع الفتح ٢ / ١٠٦)

ابن بطال کہتے ہیں کہ اس کی کوئی حد نہیں سوائے اس کے کہ جب نمازی اکٹھے ہو جائیں تو جماعت کھڑی ہو یا اقامت کہی جائے۔ اور اذان سے لے کر جماعت کیلئے ایک آدمی استنجاء ووضوء وغیرہ کر کے تیار ہو سکے۔

(فقه السنه ١ / ١١٨)

صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور مسند احمد میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مؤذنِ رسول ﷺ اذان کہتا:

((ثُمَّ يُمَهِّلُ فَلَا يُقِيمُ حَتّٰى إِذَا رَأَىٰ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ خَرَجَ ، أَقَامَ الصَّلٰوةَ حِيْنَ يَرَاهُ)) .

(مختصر مسلم: ٢٦٥ ، صحيح ابی داؤد : ٥٠٣ ، صحيح نسائی : ١٦٦)

”پھر وہ انتظار کرتا یا دیر کرتا۔ اور اقامت نہ کہتا یہاں تک کہ جب وہ نبیٔ اکرم ﷺ کو گھر سے نکلتے دیکھ لیتا تب اقامت کہتا۔“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ کچھ عرصہ بعد ہی اقامت ہونی چاہئے۔ اور یہ تو عام نمازوں کی نسبت ہے جبکہ خاص نمازِ مغرب کی اذان اور اس کی اقامت میں بھی کچھ

وقفہ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ ان عرب ممالک میں معمول ہے مگر ہمارے یہاں جلدی کی جاتی ہے۔ اور احناف وشافعیہ کے نزدیک صرف تین آیتوں کی تلاوت کے بقدر وقفہ ہونا چاہئے۔ (الفقه علی المذاهب الاربعه ۱/ ۳۲۵)

جبکہ احادیث وآثار اس سے زیادہ وقفے پر دال ہیں۔

مغرب کی اذان واقامت کے مابین وقفے کا ثبوت ان احادیثِ رسول ﷺ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملتا ہے جن میں مغرب کی اذان واقامت کے مابین دو رکعتیں پڑھنے کا ثبوت ہے۔ اور وہ احادیث وآثار صحیح بھی ہیں۔ جن کی تفصیل اسی موضوع کے ضمن میں آگے چل کر دی جائے گی۔ اِنْ شَاءَ اللہ

اقامت کون کہے؟

اب رہی یہ بات کہ اقامت کون کہے؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہمارے ممالک میں بعض لوگ اذان کہتے ہوئے شرماتے ہیں مگر اقامت بلا اجازت بھی کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگرچہ ان عرب مملک میں ایسا نہیں ہوتا جبکہ صحیح تر اور اَولیٰ یہ ہے کہ اقامت وہی شخص کہے جس نے اذان کہی ہو۔ اس بات کی تائید ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں مذکور ایک روایت سے بھی ہوتی ہے لیکن وہ روایت ضعیف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ میں اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر اہلِ علم کا اس پر عمل ہے کہ:

(مَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ)

”جو اذان کہے وہی اقامت بھی کہے۔“

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مجھے محبوب یہ ہے کہ جو اذان کہے وہی اقامت کہے۔ امام سفیان

ثوری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔''

امام مالک وابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک اس امر میں وسعت ہے۔ جو بھی اقامت کہہ لے صحیح ہے۔ یہ تو بات ہے اولیّت و افضلیّت کی۔ رہا معاملہ جواز کا تو علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے کتاب الاعتبار حازمی کے حوالہ سے لکھا ہے:

''اذان ایک کہے اور اقامت کوئی دوسرا کہہ لے تو اس کے جائز ہونے پر اہلِ علم کا اتفاق ہے۔''

(للتفصیل : تحفه الاحوذی شرح الترمذی ۱ / ۵۹۷۔ ۵۹۸)

اکہری اقامت کے کلمات:

کتبِ حدیث میں اقامت کے کلمات دو طرح سے وارد ہوئے ہیں۔ اکہری اقامت اور دوہری اقامت۔ اکہری اقامت اس طرح ہے:

((اَللّٰهُ أَكْبَرُ ،اَللّٰهُ أَكْبَرُ ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهَ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلٰى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلٰى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ،قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه)) .

یعنی صرف اَللّٰهُ أَكْبَرُ اور قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کو دو مرتبہ، اور باقی تمام کلمات کو صرف ایک ایک مرتبہ کہا جائے۔

① صحیح بخاری ومسلم، سنن ابی داؤد اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَ يُوْتِرَ الْإِقَامَةَ))

(بخاری : ۶۰۵ ، مختصر مسلم : ۱۹۲ ، صحیح ابی داؤد : ۴۸۰)

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان دوہری کہیں اور اقامت اکہری

کہیں۔''

② جبکہ ترمذی ونسائی اور ابن ماجہ کی ایک حدیث میں بھی اکہری اقامت کا حکم دیا جانا مذکور ہے۔ (المنتقی و النیل ۱/ ۲/ ٤٠)

اور نبی اکرم ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دینے والے تھے کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ کی رحلت کے بعد اذان ہی نہیں کہی سوائے اس کے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے دوبارہ کہی۔اور بعض روایات کی رو سے شام میں صرف ایک ہی مرتبہ اذان کہی تھی اور پھر کبھی نہیں کہی۔ (نیل الاوطار ۱/ ۲/ ٤٠۔ ٤١)

اوران کا یہ واقعہ معروف ہے۔

③ اکہری اقامت کی تیسری دلیل ابوداؤدو ترمذی، ابن ماجہ و دارمی اور مسند احمد میں مذکور ایک حدیث بھی ہے۔اس میں اقامت اکہری ہی ثابت ہے۔اور صرف اتنے کلمات ہی ہیں جو ہم نے ذکر کیئے ہیں۔

(ترمذی مع التحفه ۱/ ٥٨٠ ، ابن خذیمه : ٣٧٤ ، دار قطنی : ١٤ ، سنن دارمی ۱/ ٢٧٠، شرح السنه: ۲/ ٢٥٥ ،المنتقی ۳۵/۲/۱، مشکوٰۃ ۱/ ٢٠٥ ، الارواء ٢٦٤) .

④ اکہری اقامت کی چوتھی دلیل ابو داؤد و نسائی ، مسند احمد و شافعی ، ابن حبان و ابن خذیمه اور مستدرك حاکم و دار قطنی میں مذکور ہے وہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

((اِنَّمَا كَانَ الْاَذَانُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ، وَ الْاِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ اَنَّهُ يَقُوْلُ :قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ))

(صحیح ابی داؤد : ٤٨٢ ، صحیح نسائی : ٦١٠ ، موارد الظمآن : ٢٩٠ ،

المنتقی: (۱/ ۲/ ۴۳) ۔

’’نبی اکرم ﷺ کے عہدِ مبارک میں اذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہے جاتے تھے۔سوائے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کے۔ یہ دو مرتبہ ہی کہے جاتے تھے۔‘‘

صحاح و سنن میں مذکور انہی صحیح احادیث کے پیشِ نظر امام شافعی ، امام احمد اور جمہورِ علماء سلف رحمہم اللہ اکہری اقامت کے حق میں تھے ۔ اور بقول امام خطابی و بغوی رحمہما اللہ جمہور علماءِ حرمین شریفین، علماء حجاز و شام و یمن و مصر و مراکش اور تمام بلادِ اسلامیہ کے علماء کا یہی مسلک ہے۔ابنِ سیّد النّاس کے بقول:

’’حضرت عمر الفاروق، ان کے صاحبزادے عبداللہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم حضرت حسن بصری، امام زہری، اوزاعی، احمد، اسحاق، ابوثور، یحیٰ بن معین اور ابن المنذر رحمہم اللہ۔‘‘

اور امام بیہقی کے بقول:

’’سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، ابنِ سیرین اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک تھا۔‘‘

اور امام بخاری رحمہ اللہ بھی اکہری اقامت کے قائل تھے۔اور انہوں نے اپنی صحیح میں باقاعدہ اس کا ایک باب بھی باندھا ہے۔ (بخاری مع الفتح ۲: ۸۳)

اور امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

’’اکثر صحابہ و علماءِ امّت کا یہی قول (اکہری اقامت) ہے۔‘‘

(نیل الاوطار ۴۱/۲/۱ ، شرح السنہ : ۲/ ۲۵۵)

امام مالک رحمہ اللہ بھی اکہری اقامت کے قائل تھے۔مگر وہ (عمل اہلِ مدینہ کی

وجہ سے)قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کو بھی صرف ایک ہی مرتبہ کہتے تھے۔

دوہری اقامت:

امام ابوحنیفہ، ابن مبارک اور سفیان ثوری رحمہم اللہ دوہری اقامت کے قائل ہیں کہ جیسے اذان ہے ویسے ہی اقامت، اور اقامت کے کلمات میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کا بھی دو مرتبہ ہی اضافہ ہوگا۔ (الفقه على المذاهب الاربعه ۱/۳۲۲)

اور ان کا استدلال ابو داؤد و ترمذی، نسائی و ابن حبان، اور ابنِ خذیمہ میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث سے ہے، جس میں اذان واقامت دونوں کے دوہرے ہونے کا ذکر ہے۔ بیہقی، ابن ابی شیبہ اور طحاوی میں حضرت عبد اللہ بن زید بن عبدربہ سے مروی حدیث کے الفاظ میں بھی دوہری اقامت کی دلیل موجود ہے۔ اور اس کی سند کو ابنِ دقیق العید اور ابنِ حزم نے صحیح قرار دیا ہے۔

(شرح السنه ۲/ ۲۵٦ ، نيل الاوطار ۱/۲/ ٤٢)

لہٰذا معلوم ہوا کہ دونوں طریقے ہی ثابت ہیں۔ اور علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام اسحاق، احمد، ابو داؤد اور محمد بن جریر رحمہم اللہ رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ دونوں طریقوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی اجازت دیتے تھے۔

(شرح السنه و تحقيقه ۲/ ۲٥٦)

لیکن قولِ اوّل یعنی اکہری اقامت کی احادیث اصحّ اور یہی اکثر صحابہ وتابعین، علماءِ امّت اور آئمہ دین کا اختیار ہے۔ (نيل الاوطار ۱/۲/٤٢)

اور یہی اُولی اور سعودی عرب وخلیجی ممالک میں یہی عام طور پر مروّج بھی ہے۔

اقامت کا جواب:

جس طرح اذان کا جواب دیا جاتا ہے اسی طرح ہی اقامت کے کلمات کا جواب دینا بھی مستحب ہے۔ جس کی تفصیل اذان کے جواب والی ہی ہے کہ ہر کلمہ کے جواب میں وہی کلمہ دہرادے اور حیعلتین یعنی **حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ** کی بجائے **لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ** کہے اور **قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ** کا جواب ابو داؤد اور بیہقی کی ایک حدیث میں **أَقَامَهَا اللّٰهُ وَ أَدَامَهَا** مذکور ہوا ہے۔

(ابو داؤد مع العون ۲/ ۲۳۰، الارواء ۱/ ۲۵۸)

اور کبار محدثین وشارحینِ حدیث مثلاً امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم (۴/ ۸۸) اور الاذکار (ص: ۳۷) میں، علامہ ابن علان نے شرح الاذکار علی ھامش الکتاب (ص: ۳۹) میں، ابن قیم نے الوابل الصیب (ص: ۱۱۸) میں، علامہ عجلونی نے کشف الخفاء (بتحقیق القلاش ۱/ ۱۸۱) میں، امیر صنعانی نے سبل السلام (۱/ ۱۲۷) میں، ابنِ قدامہ نے المغنی (۱/ ۴۲۷) میں، امام شوکانی نے نیل الاوطار (۱/ ۲/ ۵۴) میں، علامہ مبارکپوری نے تحفہ الاحوذی (۱/ ۶۱۷) میں علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی شارح نسائی نے ''پیارے رسول کی پیاری دعائیں مع نمازِ مسنون'' (ص: ۱۹) میں رحمہم اللہ۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ (۱/ ۵۵۶) میں، اور سید سابق نے فقہ السنہ (۱/ ۱۱۶) میں **قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ** کے جواب میں **أَقَامَهَا اللّٰهُ وَ أَدَامَهَا** کہنے کو مستحب لکھا ہے۔ حالانکہ ابوداؤد وبیہقی والی حدیث کو کثیر محدثین اور اہلِ علم نے ایک مجہول راوی (رجل من اھلِ الشام) اور ایک مختلف فیہ راوی (شھر بن حوشب) کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ضعیف حدیث قابلِ حجت وعمل نہیں ہوتی تو پھر اس

استحباب کا کیا معنیٰ ہوا؟

اس روایت کو شارح ابی داؤد علامہ عظیم آبادی نے عون المعبود (۲۳۱/۲) میں، امام شوکانی نے نیل الاوطار (۵٤/۲/۱) میں، علامہ مبارکپوری نے تحفہ الاحوذی (۶۱۷/۱) میں، علامہ احمد حسن محدّث دہلوی نے تنقیح الرواۃ (۱۱۹/۱) میں، علامہ شقیری نے السنن و المبتدعات (۵۱/۱) میں، علامہ خضری نے کتاب الدعاء (ص: ۷۸) میں ضعیف کہا ہے۔ اور دورِ حاضر کے عظیم علماء میں سے محدّثِ عصر علامہ البانیؒ نے بھی تحقیق المشکوٰۃ (۲۱۲/۱) میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور شہر بن حوشب کی اگرچہ یحیٰ بن معین اور احمد بن حنبل نے توثیق کی ہے مگر اکثر محدّثین اور ماہرینِ جرح و تعدیل کا اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔

(الصحیحه ۱/ ۲۰۰، ۲/ ۱۰۱، الضعیفه ۲/ ۵۰، الارواء ۱/ ۲۵۸)

لہٰذا قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے جواب میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کہنا ہی اَولیٰ ہے۔ اور الفاظِ حدیث ((تَقُوْلُ مِثْلَ مَا يَقُوْلُ الْإِمَامُ)) کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ یہاں حیعلتین کے جواب میں ((لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ)) کہنے جیسی کوئی صریح و صحیح دلیل موجود نہیں ہے۔

نمازِ باجماعت کیلئے کھڑے کب ہوں؟

اقامت کے وقت مقتدیوں کے کھڑے ہونے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے وقت کھڑے ہونے کی روایت ہے۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ مؤذِّن کے اَللّٰہُ اَکْبَر کہتے ہی کھڑے ہونے کے قائل تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے الفاظ پر، اور امام مالک رحمہ اللہ لوگوں

کی طاقت پر چھوڑ تے ہیں کہ جو جب اٹھ سکے، اٹھ جائے کیونکہ ان میں سے کوئی ضعیف ہوگا اور کوئی ثقیل اور کھڑے ہونے کا وقت بھی مقرر نہیں ہے۔ حنابلہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے وقت اور شافعیہ اقامت ختم ہونے پر کھڑے ہونے کے قائل ہیں۔

(فتح الباری ۲/ ۱۲۰، الفقه على المذاهب الاربعه ۱/ ۳۲۵)

اور بظاہر امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہی اقرب الی السنۃ ہے۔

نمازِ باجماعت اور امامت

فضائل ومسائل اور احکام وآداب

فضیلتِ جماعت:

نماز صرف ایک عبادتی فریضہ ہی نہیں بلکہ یہ ایمان کی علامت اور اسلام کا شعار بھی ہے، اس کا ادا کرنا اسلامیّت کا ثبوت اور اسے ترک کر دینا دین سے بے اعتنائی اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تعلقی ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ نماز کی ادائیگی کا کوئی ایسا بندوبست ہو کہ ہر شخص اس فریضہ کو علانیہ اور سب کے سامنے ادا کرے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ باجماعت کا نظام قائم فرمایا اور ہر مسلمان کیلئے جو بیمار یا کسی دوسری وجہ سے معذور نہ ہو جماعت سے نماز ادا کرنا لازم قرار دیا۔

اس نظامِ جماعت کا خاص راز اور حکمت یہی ہے کہ اس کے ذریعے افرادِ امت کا روزانہ پانچ مرتبہ احتساب ہو جاتا ہے۔ اور اِسی جماعتی نظام کی برکت سے ہی بہت


stc
CHANEL
CHANEL

سے وہ لوگ بھی پانچوں نمازیں پابندی سے ادا کر لیتے ہیں جو عزیمت کی کمی اور جذبے کی کمزوری کی وجہ سے انفرادی طور پر کبھی بھی ایسی پابندی نہ کر سکتے۔ علاوہ ازیں نمازِ باجماعت کا یہ نظام بجائے خود افرادِ امت کی دینی تعلیم وتربیت اور ایک دوسرے کے احوال سے باخبری کا ایک ایسا غیر رسمی اور بے تکلف انتظام بھی ہے کہ جس کا بدل سوچا بھی نہیں جاسکتا۔

نمازِ باجماعت کی وجہ سے مساجد میں عبادت وانابت الی اللہ اور دعواتِ صالحہ کی جو فضا قائم ہوتی ہے اور زندہ قلوب پر اِس کے جو اثرات پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ،اس کے مختلف الحال بندوں کے قلوب کے ایک ساتھ متوجہ ہونے کی وجہ سے آسمانی رحمتوں کا جو نزول ہوتا ہے، یہ سب اسی نظامِ جماعت کے ثمرات وبرکات ہیں۔

اِس نظام جماعت کے ذریعے امت میں جو اجتماعیت پیدا کی جاسکتی ہے اور گاؤں ،محلوں کی ہر مسجد میں روزانہ پانچ مرتبہ اجتماع ، جامع مسجدوں کے ہفتہ وار وسیع اجتماعاتِ جمعہ اور سال میں دو دفعہ عید گاہ کے اس سے بھی وسیع تر اجتماعات سے جو عظیم اجتماعی اور ملّی فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں ،ان کا سمجھنا تو آج کل کے ہر شخص کیلئے بہت آسان ہے۔ بہر حال نظامِ جماعت کے انہی ثمرات وبرکات اور مصالح کی وجہ سے امت کے ہر شخص کو اس کا پابند کیا گیا ہے کہ جب تک کوئی واقعی مجبوری اور معذوری نہ ہو وہ ہر نماز جماعت کے ساتھ ہی ادا کرے اور جب تک امّت میں نبی اکرم ﷺ کی ہدایات وتعلیمات پر کما حقہ عمل ہوتا رہا، اسوقت تک منافقوں اور حقیقی وشرعی عذر والوں کے سوا ہر شخص نماز باجماعت ہی ادا کرتا تھا اور اس میں کوتاہی کو نفاق کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

(معارف الحدیث جلد سوم ص: ۱۹۱ ۔ ۱۹۳)

صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ أَوْ مَرِيضٌ))

''ہم نے اپنے آپ کو (یعنی مسلمانوں کو) اس حال میں دیکھا ہے کہ نمازِ باجماعت میں شریک نہ ہونے والا یا تو کوئی منافق ہوتا تھا، جسکی منافقت (سب کو) معلوم ہوتی تھی یا پھر کوئی بیچارہ بیمار ہوتا تھا۔''

آگے فرماتے ہیں کہ بعض تو بیمار بھی دو آدمیوں کے سہارے چل کر آتے اور جماعت میں شریک ہوجاتے تھے اور فرمایا: نمازِ پنجگانہ کا باجماعت ادا کرنا ''سنن الھدیٰ'' میں سے ہے اور اِسی حدیث میں یہ ارشاد بھی ہے:

((وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هَذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ))

(الفتح الربانی و شرح مسند احمد الشیبانی علّامہ احمد عبد الرحمن البناء :۵/ ۱۶۳، مشکوٰۃ : ۱/ ۳۳۶)

''اگر تم اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ فلاں شخص جماعت سے الگ اکیلا اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ چھوڑ بیٹھو گے۔ اور جب تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ چھوڑ بیٹھو گے تو یقین جانو کہ تم راہِ ہدایت سے ہٹ کر گمراہی کے گہرے گڑھے میں جاگرو گے۔'' أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ

نمازِ باجماعت کا حکم؟

وجوبِ جماعت کے دلائل:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے عہدِ صحابہ میں جماعت کے اہتمام کا خوب پتہ چل جاتا ہے کہ اُس مثالی ومعیاری دور میں منافقوں اور مجبور بیماروں کے سوا ہر شخص جماعت ہی سے نماز ادا کیا کرتا تھا اور اللہ کے بعض صاحبِ عزیمت بندے تو بیماری ونقاہت کی عذر والی حالت میں بھی دوسروں کے سہارے مسجد میں پہنچ کر باجماعت نماز ادا کیا کرتے تھے کیونکہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ بلکہ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک نماز کی جماعت کا درجہ محض ایک ''سنت'' کا نہیں بلکہ اس سے بہت آگے دینی واجبات کا سا تھا۔ اور آئمہ میں سے امام عطاء، اوزاعی، اسحاق بن راہویہ، احمد، ابوثور، ابن خزیمہ، ابن المنذر، ابن حبان اور امام داؤد ظاہری رحمہم اللہ کے نزدیک بھی جماعت فرضِ عین ہے اور اس سے آگے ان آئمہ کے مابین یہ اختلاف ہے کہ آیا جماعت قبولیّتِ نماز کی شرط ہے؟

امام داؤد ظاہری اور ان کے پیروکاروں کا یہی قول ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ اور باقی حضرات کے نزدیک جماعت شرط تو نہیں البتہ فرضِ عین ہے اور امام شافعیؒ نے اپنے ایک قول کے مطابق اور کثیر مالکی وحنفی علماء وفقہاء نے جماعت کو فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔

(نیل الاوطار امام شوکانی : ۱۲۳/۳/۲ ، الفتح الربانی :۵/ ۱۶۷ ـ ۱۶۸)

رئیس المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ایک باب یوں باندھا ہے:

(بَابُ وُجُوْبِ صَلاةِ الْـجَمَاعَةِ)

اور ترجمۃ الباب میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ اگر کسی کی ماں ازراہِ شفقت نمازِ عشاء میں شامل ہونے سے روکے تو اس معاملہ میں اس کی اطاعت نہیں کی جائیگی۔اس اثر کو امام حسین المروزی نے کتاب الصیام میں صحیح سند سے موصولاً بیان کیا ہے۔ (مختصر البخاری للالبانی : ١/ ١٦٦)

شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''امام بخاریؒ کے نزدیک بھی جماعت کا فرض ہونا ہی معلوم ہوتا ہے۔''

(البخاری مع الفتح :١٣٥/٣)

جماعت کو شرط یا فرض وواجب قرار دینے والے آئمہ وفقہاء نے دلائل کے طور پر جو احادیثِ رسول ﷺ ذکر کی ہیں ،اُن میں سے ہی ایک وہ ہے جو صحیح بخاری ومسلم،مسند احمد اور دیگر کتبِ سنّت میں مذکور ہے، جسمیں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((أَثْقَلُ الصَّلاةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ صَلاةُ الْعِشَاءِ وَصَلاةُ الْفَجْرِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْواً))

''منافقوں پر سب سے بھاری نمازیں نمازِ عشاء اور نمازِ فجر ہیں اور اگر وہ جانتے کہ ان دونوں میں کیا اجر وثواب اور برکتیں ہیں تو وہ ان نمازوں میں بھی حاضر ہوا کرتے ،اگر چہ ان کو گھٹنوں کے بل گھسٹ کر ہی کیوں نہ آنا پڑتا۔''

آگے آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''میں نے ارادہ کیا کہ میں نماز کا حکم دوں تو اس کی اقامت کہی جائے، پھر میں کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے ،اور میں اپنے ساتھ کچھ

آدمیوں کو لے کر کہ جن کے پاس لکڑیوں کے گٹھے ہوں، ان لوگوں کے پاس جاؤں جو نماز کی جماعت میں حاضر نہیں ہوتے:

((فَأُحْرِقُ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ بِالنَّارِ)).

(بخاری ۲/ ۱۲۵ ، مسلم ۲/ ۱۲۳ ، الفتح الربانی ۵/ ۱۷۷ ، مشکوٰۃ ۱/ ۳۳۲ ، نیل الأوطار : ۲/۳/ ۱۲۲ ـ ۱۲۳ ، ارواء العلیل ۲/ ۲٤٥)

''اُن لوگوں پر (یعنی ان کے موجود ہوتے ہوئے) ان کے گھروں کو آگ لگا کر جلا دوں۔''

اِسی طرح صحیح مسلم اور نسائی میں ہے کہ ایک نابینا شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرے پاس ایسا کوئی شخص نہیں جو مجھے مسجد تک پہنچائے اور اُس نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ اُسے گھر میں نماز ادا کر لینے کی اجازت بخشی جائے، تو آپ ﷺ نے پہلے اُسے اجازت دے دی پھر جب وہ واپس ہونے لگا تو آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا:

((هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ ؟)).

''کیا تم نماز کیلئے کہی جانے والی آذان سن لیتے ہو؟

اُس نے ہاں میں جواب دیا تو فرمایا:

((فَأَجِبْ)).

''تو پھر اُس کا جواب دو۔''

(مشکوٰۃ: ۱/ ۳۳۲، ارواء الغلیل :۲/ ۲٤٦ ، نیل الاوطار ۲/۳/ ۱۲۵)

یعنی مسجد میں آکر ہی نماز پڑھو تمہیں بھی گھر میں نماز ادا کرنے کی رخصت نہیں۔

ابوداوٗد، نسائی. ابن ماجہ، مسند احمد، ابن حبان اور طبرانی وغیرہ میں مذکور ہے کہ وہ نابینا

شخص حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تھے جن کے بارے میں تیسویں پارے کی سورۂ عبس ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى﴾ نازل ہوئی تھی۔

(نیل الاوطار :۲/۳/۱۲۵ الفتح الربانی :۵/۱۲۸، مشکوٰۃ ۱/۳۳۸، اِرواء الغلیل ۲/۲۴۷)

ان اور ایسی ہی بعض دیگر احادیث کے پیشِ نظر مذکورۃ الصدر آئمہ وفقہاء نے جماعت کو فرض وواجب قرار دیا ہے۔

جماعت..........سنّتِ مؤکدہ

جمہور کے نزدیک:

حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے بخاری شریف کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ کثیر حنفیہ ومالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ جماعت فرضِ کفایہ ہے جبکہ خود حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور امام مالک رحمۃ اللہ کے بارے میں امام شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ ان دونوں اماموں کا اپنا نظریہ یہ تھا کہ جماعت شرط یا فرض وواجب نہیں بلکہ سنت ہے اور جمہور علماء امت کا مسلک بھی یہی ہے کہ یہ "سنتِ مؤکدہ" ہے جسے بلا عذر ترک کرنا نہایت ہی بدنصیبی ہے۔ (فتح الباری ۲/۱۲۶، نیل الاوطار ۲/۳/۱۲۳۔۱۲۹)

برِصغیر کے معروف محدث ومفسر اور اسلامیان پاک وہند کے عظیم محسن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اس موضوع پر بحث کا آغاز کرتے ہوئے لکھا ہے:

(اَلْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ تُقَامُ اللَّائِمَةُ عَلٰى مَنْ تَرَكَهَا لِاَنَّهَا مِنْ شَعَائِرِ الدِّيْنِ) (الفتح الربانی :۵/۱۸۳)

''جماعت سنتِ موکدہ ہے اور تارکِ جماعت قابلِ ملامت ہے کیونکہ باجماعت نماز ادا کرنا دینی شعائر میں سے ہے۔''

فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جماعت کو فرض وواجب قرار دینے والوں کو''سنتِ مؤکدۃ'' کہنے والوں کی طرف سے مختلف علمی جوابات دیئے ہیں جو کہ جلد دوم کے ص ۱۲۵ تا ۱۳۰ پر قابلِ مطالعہ ہیں۔ صاحبِ نیل الأوطار نے جلد دوم جزء سوم کے ص ۱۲۳ تا ۱۳۰ پر طرفین کے دلائل ذکر کرنے اور پھر ان پر بحث ومناقشہ کے بعد محاکمہ کے طور پر لکھا ہے:

(فَأَعْدَلُ الْأَقْوَالِ وَأَقْرَبُهَا إِلَى الصَّوَابِ أَنَّ الْجَمَاعَةَ مِنَ السُّنَنِ الْمُؤَكَّدَةِ الَّتِي لَا يُخِلُّ بِمَلَازَمَتِهَا مَا أَمْكَنَ إِلَّا مَحْرُوْمٌ مَشْئُوْمٌ) (نیل الاوطار ص: ۱۳۹)

''زیادہ مبنی برانصاف اور اقرب الی الصواب بات یہ ہے کہ جماعت سننِ موکدہ میں سے ہے جسکی ہر ممکن طریقہ کے ساتھ پابندی کرنے سے صرف وہی شخص پیچھے رہتا ہے جو خفتہ بخت اور کم نصیب ہو۔''

الغرض ترکِ جماعت پر نبیٔ اکرم ﷺ نے سخت وعید فرمائی ہے اور بڑے جلال وغصہ سے تارکینِ جماعت کو ان کے گھروں سمیت جلا دینے کے ارادے کا اظہار فرمادیا تھا جبکہ نبیٔ اکرم ﷺ کے متعدد دیگر ارشادات میں نمازِ باجماعت کی بہت زیادہ فضیلت بیان ہوئی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم اور مسند احمد وغیرہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً)).

(بخاری مع الفتح ۱۳۱/۲ ، النیل ۱۲۶/۳/۲ ، الفتح الربانی :۵/ ۱۶۵)

”جماعت کے ساتھ ادا کی جانے والی نماز کا ثواب اکیلے ادا کی جانے والی نماز سے ستائیس گنا زیادہ ہے۔“

بخاری و مسلم کی ہی ایک حدیث میں پچیس گنا زیادہ فضیلت کا ذکر بھی ہے جبکہ صحیحین کی ہی ایک اور حدیث جو کہ ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی میں بھی مذکور ہے، اس میں نبیِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

”کسی آدمی کی اپنے گھر یا بازار میں پڑھی ہوئی نماز سے باجماعت نماز کی فضیلت پچیس گنا زیادہ ہے۔ اور یہ اسلیئے کہ جب وہ اچھی طرح مسنون طریقہ سے وضو کرکے صرف نماز کی نیت سے مسجد کی طرف جاتا ہے تو اس کے ہر قدم کے عوض اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور ایک خطا معاف کی جاتی ہے اور نماز پڑھ چکنے کے بعد جب تک وہ اپنی جائے نماز پر رہتا ہے، فرشتے اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ! اس پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ اے اللہ! اس پر رحم کر اور جب تک وہ نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے، وہ نماز پڑھنے والا شمار کیا جاتا ہے۔“

(بخاری مع الفتح ۱۳۱/۲ ، الفتح الربانی ۵/ ۱۶۱ ـ ۱۶۲)

اسی طرح کی دیگر کتنی ہی احادیث ہیں، جن سے جماعت کی تاکید وفضیلت معلوم ہوتی ہے۔

(مشکوٰۃ :۱/ ۳۳۲، الفتح الربانی ۵/ ۱۶۱، ۲/ ۱۳۱ ، جامع الاصول لابن الاثیر :۶/ ۳۶۸ ، نیل الاوطار :۲/۳/ ۱۲۲) اللہ تعالیٰ توفیقِ خیر سے نوازے۔ آمین

عورتوں کی نماز با جماعت میں شرکت:

نماز کے تقریباً سبھی احکام میں مرد اور عورت سب برابر شامل ہیں لیکن چند مسائل مثلاً نمازِ پنجگانہ کی جماعت میں شرکت کے سلسلہ میں، بلکہ جماعت کے متعلقہ تمام مسائل میں عورت کا حکم مرد سے الگ ہے جبکہ ان کے جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرنے سے، اپنے گھر میں اور گھر کی بھی اندرونی کوٹھڑی میں نماز ادا کرنا زیادہ بہتر ہے۔ البتہ اگر کوئی عورت جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا چاہے اور قریبی مسجد میں عورتوں کے لیے پردے کا انتظام موجود ہو جیسا کہ ہمارے ممالک کی مساجد میں عموماً ہوتا ہے، اور یہاں بھی چیدہ چیدہ مساجد میں موجود ہے، تو اسے اجازت ہے۔ اور نبی ٔ اکرم ﷺ نے ہر شوہر کو حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی کو اس بات کی اجازت دے، جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَآئُكُمْ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسْجِدِ فَأْذَنُوا لَهُنَّ)) (نیل الاوطار: ۱٤٨/٣/٢)

''جب تم سے تمہاری عورتیں رات کو مسجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت طلب کریں تو انھیں اجازت دے دو۔''

اسی طرح بخاری ومسلم اور ابوداؤد ومسند احمد میں ہی یہ ارشادِ نبوی ﷺ بھی ہے کہ:

''عورتوں کو نماز کیلئے مسجدوں کی طرف نکلنے سے مت روکو۔''

(النیل ایضاً و الفتح الربانی :٥/ ١٩٥)

جبکہ ابوداؤد، مسند احمد، ابن خزیمہ اور طبرانی میں اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ))

(النیل حولہ بالا و الفتح الربانی ایضاً)

”جبکہ ان کے گھران کے لیے زیادہ بہتر ہیں۔“

صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی نمازِ فجر وعشاء ہمیشہ مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کیا کرتی تھیں۔ان سے کہا گیا کہ تم جانتی ہو کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنی شدتِ غیرت کی وجہ سے اس کام کو ناپسند کرتے ہیں، پھر تم کیوں نکلتی ہو؟ انہوں کہا کہ وہ میرے مسجد کی طرف نکلنے کو ناپسند کرتے ہیں تو پھر انہیں مجھ کو روک دینے سے کیا چیز مانع ہے؟ تو جواب ملا کہ انہیں آپ کو منع کرنے سے یہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مانع ہے:

((لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ)).

(بخاری بحوالہ بلوغ الامانی بشرح الفتح الربانی ۵/ ۱۹۷)

”اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد میں نماز ادا کرنے سے مت روکو۔“

مسند احمد وغیرہ میں اُن محترمہ کا نام عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہما مذکور ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ساری زندگی، مسجد میں نماز ادا کرتی رہیں۔

((فَطُعِنَ عُمَرُ وَ إِنَّهَا لَفِي الْمَسْجِدِ))

(الفتح الربانی :۵/ ۱۹۷)

”یہاں تک کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کے دوران محراب میں خنجر مارا گیا تو اس وقت بھی موصوفہ مسجد میں موجود تھیں۔“

صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن خزیمہ، مسند احمد، بیہقی اور طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے بیٹے بلال بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ مذکور ہے کہ باپ نے ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکنے سے منع

کیا، بیٹے نے کہہ دیا کہ ہم تو روکیں گے اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اتنے ناراض ہوئے کہ تادمِ آخر اپنے بیٹے سے بات تک نہیں کی۔

(الفتح الربانی: ۵/ ۱۹۴۔۱۹۶)

یہ اور ایسی ہی دیگر احادیث سے عورتوں کے جماعت میں شامل ہونے کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن یہ شرط ہے کے بناؤ سنگھار کر کے چمکیلے بھڑکیلے لباس میں ملبوس ہو کر اور خوشبو لگا کر نہ جائیں، کیونکہ صحیح مسلم، ابو داؤد اور نسائی شریف میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"جس عورت نے بخور وغیرہ خوشبو لگائی ہوئی ہو، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں نہ ملے۔" (الفتح الربانی ۵/ ۲۰۱، النیل ۲/ ۳/ ۱۴۹)

اسی قسم کے موانع کا ذکر کرتے ہوئے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"جو کچھ ہم آج کل دیکھ رہے ہیں، اگر یہ سب کچھ عورتوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے تو انہیں مساجد سے روک دیتے۔"

(نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۴۹)

بعض اہلِ علم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کے پیشِ نظر عورتوں کے مسجد میں جانے کو مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے جو کہ حافظ ابن حجر وغیرہ علماء کے نزدیک محلِ نظر ہے۔ (الفتح الربانی: ۵/ ۲۰۲)

حافظ ابن حجر نے حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مطلقاً ممانعت کا استدلال کرنے والوں کا مسلک محلِ نظر قرار دیا ہے، اور اس کی بڑی عمدہ وضاحت بھی کی ہے کہ یہ نظریہ کیوں محلِ نظر ہے؟ جسکی تفصیل فتح الباری کے مذکورہ مقام پر دیکھی جا سکتی ہے

الغرض عورت کی نماز اپنے گھر میں افضل ہے، بہ نسبت جماعت میں شامل ہونے کے، اور پردے کا جتنا زیادہ اہتمام کرے گی اتنا ہی ثواب بڑھے گا اور جمہور اہلِ علم کا یہی قول ہے۔ (حوالہ سابقہ و نیل الاوطار ۲/۳/ ۱۵۰)

اِس پُرفتن دور میں بھی اگر فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو گھر میں نماز کی افضلیت کے باوجود بھی مذکورہ شرطوں کا لحاظ رکھتے ہوئے عورت کو مسجد میں جانے کی شرعاً اجازت ہے۔

دور اور زیادہ نمازیوں والی مسجد میں نماز کی افضلیّت:

اکیلے نماز پڑھنے سے با جماعت نماز ادا کرنے کا ثواب ستائیس گنا زیادہ ہے۔اور بلا عذرِ شرعی جماعت کو ترک کرنا بھی منع ہے۔اور جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے سخت وعید سنائی ہے اور خاص طور پر نمازِ عشاء اور فجر کو با جماعت ادا کرنا تو بہت ہی کارِ ثواب ہے یہاں تک کہ صحیح مسلم موطا امام مالک اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَهُوَ كَمَنْ قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَهُوَ كَمَنْ قَامَ اللَّيْلَ كُلَّهُ)).

”جس نے نمازِ عشاء با جماعت ادا کی، اس نے گویا نصف شب قیام کی حالت میں گزاری، اور جس نے فجر کی نماز بھی با جماعت ادا کی تو اس نے گویا رات بھر قیام میں ہی گزار دی۔“

(مسلم، موطأ، مسند احمد، الفتح الربانی ۵/ ۱۶۸)

جماعت کی فضیلت اور پچیس یا ستائیں گنا زیادہ ثواب تو ہر اس مسجد میں نماز ادا کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے، جہاں اذان و اقامت کے ساتھ با جماعت نماز کا

اہتمام ہوتا ہو۔ البتہ بعض ارشاداتِ نبوی ﷺ سے پتہ چلتا ہے کہ نمازی کے گھر سے کوئی مسجد جتنی دور ہو اتنا ہی ثواب زیادہ ہوتا ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم ابوداود و ترمذی بیہقی اور مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص گھر سے وضوء کر کے صرف نماز کی نیت سے مسجد کو نکلتا ہے تو:

((لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ حَتّٰى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ))

(نیل الاوطار :۱۳۳/۳/۲ ، الفتح الربانی ۱۶۲/۵، شرح السنه : ۳۵۶/۲)

”اس کے ہر قدم کے عوض اسکا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے، اور اس کی ایک خطا معاف ہوتی ہے، یہاں تک کے وہ مسجد میں داخل ہو جائے۔“

اسی طرح صحیح مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((إِنَّ أَعْظَمَ النَّاسِ فِيْ صَلَاةٍ أَجْراً أَبْعَدُهُمْ إِلَيْهَا مَمْشًى))

”نماز میں سب سے زیادہ اجر اس شخص کا ہے، جو سب سے زیادہ چل کر جماعت میں شامل ہوتا ہے۔“

(نیل الاوطار : ۱۳۲/۳/۲ ، شرح السنة ۲/ ۳۵۳)

مسلم شریف میں ہی ایک واقعہ ہے جس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجدِ نبوی ﷺ کے قریب کچھ جگہ خالی ہوئی تو قبیلہ بنی سلمہ کے لوگوں نے چاہا کہ وہاں منتقل ہو جائیں، نبیٔ اکرم ﷺ اُن کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

”مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم لوگ مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو؟“

تو انہوں نے کہا :ہاں اللہ کے رسول ﷺ !ہمارا یہی ارادہ ہے تو

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ))

(نیل الاوطار: ۳/۱۳۳، شرح السنة: ۳۵۳/۲، الفتح الربانی ۵/۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸)

"اپنی موجودہ جگہ پر ہی ٹکے رہو تمہارے مسجد کی طرف چلنے والے قدم لکھے جاتے ہیں۔"

گویا آپ ﷺ نے انہیں یہ سمجھا دیا کہ تم جتنے زیادہ قدم چل کر مسجد میں جماعت سے ملنے کے لئے آؤ گے تمہارے نامۂ اعمال میں اتنی ہی نیکیاں لکھی اور خطائیں مٹائی جائیں گی۔ امام نووی رحمہ اللہ نے المجموع شرح المہذب میں لکھا ہے کہ دور کی مسجد میں اگر نمازیوں کی کثرت ہو تو وہاں جا کر نماز ادا کرنا اولیٰ ہے سوائے دو شکلوں کے:

① اس کے دور کی مسجد میں جانے کی بنا پر قریبی مسجد میں نظامِ جماعت معطل ہوتا ہو، چاہے وہ شخص خود امام ہو یا ایسا صاحبِ اثر و نفوذ کہ اس کے ساتھ لوگوں کی اکثریت وہیں چلی جاتی ہو، اس شکل میں قریبی مسجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔

② دور والی مسجد کا امام بدعتی، معتزلی، فاسق یا بعض ارکان کے وجوب کا عقیدہ نہ رکھنے والا ہو تو قریبی مسجد میں نماز ادا کرنا ہی افضل ہے۔

اور خراسانی علماء ہر حال میں قریبی مسجد میں نماز کی ادائیگی کو ہی افضل قرار دیتے ہیں جبکہ صحیح وہی ہے جو جمہور کا قول ہے اور وہ پہلا ہے۔

(المجموع شرح المھذب للنووی: ۴/۱۹۴، الفتح الربانی: ۵/۲۰۹)

ایک حدیث میں مسجد کی دوری کے علاوہ یہ بھی مذکور ہے کہ جس مسجد میں نمازیوں کی کثرت اور جماعت بڑی ہوگی، اس میں نماز ادا کرنا زیادہ باعث

فضیلت ہے، جیسا کہ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((صَلاةُ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكٰى مِنْ صَلاتِهِ وَحْدَهُ وَصَلاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكٰى مِنْ صَلاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَانَ أَكْثَرُ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى))

(نیل الاوطار: ۲/۳/۱۳۳ و صَحَّحَهُ ابْنُ السَّكَنِ وَ الْعُقَيْلِي وَ الْحَاكِمُ وَابْنُ الْمَدِيْنِي، الفتح الربانی: ۵/۱۷۱، مشکوٰة: ۱/ ۳۳۵، حسنهُ الألبَانِي).

''ایک شخص کی ایک آدمی کے ساتھ، اکیلے نماز ادا کرنے سے اجر کے لحاظ سے زیادہ افضل ہے، اور دو آدمی کے ساتھ ادا کی گئی نماز، ایک آدمی کے ساتھ والی نماز سے افضل ہے، اور جو جماعت جتنی بڑی ہوگی، اسکے ساتھ نماز پڑھنے والوں کو اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔''

مسجد کی طرف جانے کے آداب:

جماعت سے ملنے کے لئے مسجد کی طرف جانے کے آداب میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ دوڑ کر نہ جایا جائے۔ چنانچہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کی بھگدڑ کی آواز سنی، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا بات تھی؟ ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم نماز کی طرف جلدی اور تیزی سے آرہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ کرو بلکہ:

((إِذَا آتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةَ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَافَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا))

(نیل الاوطار : ۲/۳/ ۱۳٤ ، الفتح الربانی :٥/ ۲۱۱ ، ۲۱۲)

”جب تم نماز کی طرف آؤ تو اطمینان وسکون کے ساتھ آؤ، جتنی نماز تم پالو وہ پڑھ لو اور جورہ جائے وہ پوری کرلو“۔

بخاری و مسلم ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”جب تم اقامت سن لو تب بھی بھاگم بھاگ نہیں بلکہ سکون و وقار کے ساتھ چل کر آؤ“۔ (حوالہ جات سابقہ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ چاہے جماعت کھڑی ہی کیوں نہ ہو چکی ہو، تیزی کے ساتھ چل کر یا بھاگ کر نماز کی طرف آنا منع ہے۔ مشروع یہ ہے کہ پورے اطمینان وسکون اور باوقار طریقہ سے چلتے ہوئے مسجد کی طرف آنا چاہیے۔ ابوداؤد و نسائی، بیہقی، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ان کے نزدیک امام مسلم کی شرائط پر پوری اترنے والی صحیح حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”جس شخص نے گھر سے اچھی طرح وضوء کیا اور مسجد کی طرف جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے نکلا مگر جب مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں، تو اسے بھی اللہ تعالیٰ اس کی نیت کی بناء پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں جتنا مکمل اجر دے گا۔“

(الفتح الربانی مع بلوغ الأمانی :٥/ ١٦٧ ، ٢١٨)

مگر یہ اس وقت ہے جبکہ یہ تاخیر کسی سستی اور تقصیر کی وجہ سے نہ ہو۔

وَفَضْلُ اللّٰهِ وَاسِعٌ

جماعت سے رہ جانے کے جائز عذر

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی اہمیت وفضیلت اور تاکید اور ترکِ جماعت پر وعید کا ذکر تو ہو چکا ہے، یہاں تک کہ ابن ماجہ اور دار قطنی میں صحیح سند کے ساتھ مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ))

(مشکوٰۃ: ۱/ ۳۳۸و صححہ الالبانی)

”جس شخص نے آذان کی آواز سنی، مگر کسی شرعی عذر کے بغیر ہی اس نے جماعت کے ساتھ وہ نماز ادا نہ کی تو اس کی اکیلے ادا کی ہوئی نماز کچھ بھی نہیں۔“

معلوم ہوا کہ بلا عذرِ شرعی تارکِ جماعت کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ ابوداؤد و دار قطنی کی ایک روایت میں عذر کے بغیر نماز کے بلا جماعت قبول نہ ہونے کے ساتھ ہی عذر بھی مذکور ہے، اور وہ ہے مرض یا خوف، مگر اس روایت کو محدّثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مشکوٰۃ و تحقیقہ للالبانی: ۱/ ۳۳۵)

مگر بعض وجوہات یا عذر ایسے بھی ہیں کہ اُن کی موجودگی میں جماعت سے رہ جانا اور ان حالات میں اکیلے نماز ادا کر لینا جائز ہے مثلاً:

① جب کھانا سامنے آ جائے اور جماعت کھڑی ہو جائے، تو پہلے کھانا کھا لینا چاہئے۔

② اسی طرح جب آدمی کو پیشاب یا پاخانہ کی حاجت ہو، تو اسے پہلے ان بشری تقاضوں سے فارغ ہو جانا چاہئے۔ ان کے لیے جماعت سے رہ جانے کی

اجازت ہے اور ان حالات میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔اور ان دونوں امور کی تفصیلات ہم اپنی کتاب ''مفسدات ومکروہات اور مباحاتِ نماز'' میں ذکر کر چکے ہیں اور یہ کتاب بھی الحمدللہ طبع ہو چکی ہے۔

(نیز دیکھئے : نیل الاوطار :۲/۳/ ۱۵۵ ، الفتح الربانی :۱۸۸/۵)

③④ جماعت سے رہ جانے کی رخصت والا تیسرا اور چوتھا عذر سخت سردی اور بارش ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم ،سنن اربعہ، موطا امام مالک اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سخت سردی کی رات میں اور بارش والی رات میں سفر کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موذِن کو حکم فرمایا کرتے کہ اذان کے آخر میں یہ کہو:

((صَلُّوْا فِیْ رِحَالِکُمْ)) (نیل الاوطار ۱۵٤/۳/۲)

''اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔''

صحیح بخاری کے الفاظ ہیں:

((أَلَا صَلُّوْا فِیْ الرُّحْلِ)) (حوالہ بالا)

''اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم ،ابوداود، ترمذی، مسند احمد اور بیہقی میں مروی ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر پر نکلے ،دورانِ سفر کسی جگہ پر تھے کہ بارش ہونے لگی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لِیُصَلِّ مَنْ شَآءَ مِنْکُمْ فِیْ رَحْلِهٖ))

(نیل الاوطار ۱۵۵/۳/۲، الفتح الربانی ۱۸۵/۵)

''تم میں سے جو شخص چاہے اپنے گھر میں نماز ادا کر لے۔''

بارش کی وجہ سے بھی جماعت میں حاضر ہونے کی بجائے اپنے گھر میں نماز ادا کر لینے کا پتہ بعض دیگر احادیث سے بھی پتا چلتا ہے۔

(دیکھئے بخاری مع الفتح ۱ / ۱۱۹ھ، ۳۲۳ھ)

⑤ سخت سردی و بارش کی طرح ہی سخت طوفانی ہوا کے وقت بھی جماعت سے جانے کی رخصت اور اپنے گھر میں اکیلے نماز ادا کر لینے کی اجازت ہے، جیسا کہ صحیح ابی عوانہ میں مذکور ہے:

((لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ أَوْ ذَاتَ مَطَرٍ أَوْ ذَاتَ رِيحٍ))

(نیل الاوطار و الفتح الربانی و فتح الباری)

"سخت سردی یا بارش یا تیز ہوا والی رات۔"

حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں امور کی موجودگی میں صرف رات کے وقت رخصت ہے، جبکہ کتب سنن میں ابو اسحاق کے طریق سے حضرت نافع کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((فِي اللَّيْلَةِ الْمَطِيرَةِ وَالْغَدَاةِ الْقَرَّةِ))

"بارانی رات میں یا سخت سردی کے دن میں۔"

اسی طرح ابو الملیح کی اپنے والد کے طریق سے مروی حدیث میں ہے:

((أَنَّهُمْ مُطِرُوا يَوْمًا فَرَخَّصَ لَهُمْ))

(نیل الاوطار ج: ۳ ص: ۱۵۵ - ۱۵۶)

"صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک بارش والے دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھروں میں نماز ادا کر لینے کی رخصت دے دی۔"

ان احادیث میں سفر کے لفظ سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ حکم صرف سفر کے دوران ہی ہے، مقیم لوگوں کیلئے نہیں جبکہ موطا امام مالک اور مسند احمد کی روایات

مطلق ہیں، اُن میں سفر کا ذکر نہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گنجائش یا رعایت مقیم ومسافر سب کیلئے ہے۔ البتہ شارح بخاری حافظ ابن حجر کے بقول مسافر کو تو مطلق رخصت ہے لیکن مقیم لوگوں میں سے جنہیں ایسے میں جماعت کے ساتھ شامل ہونا باعثِ مشقت ہو تو وہ بھی اس رخصت میں شامل ہیں۔

اور جنھیں (قربِ مسجد وغیرہ کی بناء پر) کوئی مشقت نہ ہو، انہیں رخصت نہیں۔

(الفتح الربانی و شرحه ۵/ ۱۸۴ ۔ ۱۸۵)

صحیح بخاری و مسلم میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ بارش کے روز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے موذِن کو حکم فرمایا کہ جب وہ آذان کہے تو ((أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ)) کے بعد ((حَيَّ عَلَی الصَّلَاۃِ)) کی بجائے:

((صَلُّوْا فِيْ رِحَالِكُمْ))

”نمازیں اپنے گھروں میں پڑھ لو۔“

کہے، لوگوں نے اس بات کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تمہیں اس سے تعجب ہو رہا ہے؟ حالانکہ یہ کام اُس ذاتِ گرامی نے کیا جو مجھ سے بدرجہا بہتر تھی یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ساتھ ہی فرمایا:

((إِنَّ الْجُمُعَةَ عَزْمَةٌ وَإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أُخْرِجَكُمْ فَتَمْشُوْا فِي الطِّيْنِ وَالدَّحْضِ))

(و فی روایه: أُحْرِجَكُمْ ۔بالحاء المهمله، وفی روایه البخاری: أُؤَثِّمَكُمْ، نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۵۵)

”بیشک جمعہ میں ایسے وقت آنا عزیمت ہے اور مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ میں تمہیں گھروں سے نکال کر (مبتلائے حرج کروں) اور تم مٹی و کیچڑ میں چل کر مسجد تک پہنچو۔“

ایک روایت میں ''جمعہ'' کی بجائے ''جماعت'' کا لفظ ہے۔البتہ صحیح مسلم میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک بارش والے جمعہ کے دن اپنے موذِن کو یہ حکم فرمایا تھا۔ (فقه السنه سید سابق ۱/ ۲۳٤)

امام شوکانی ان احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ بارش، شدید سردی اور تیز ہوا یعنی آندھی کی صورت میں جمعہ و جماعت کیلئے نہ نکلنے کی رخصت پر دلالت کرتی ہیں۔ (نیل الاوطار: ۳/ ۱۵٦)

سید سابق فقہ السنہ میں لکھتے ہیں کہ شدید گرمی، سخت اندھیرے اور ظالم کے خوف میں بھی یہ رخصت ہے اور ابن بطال کے بقول اس پر اِجماع ہے کہ شدید بارش، سخت اندھیرے اور آندھی وغیرہ کے موقع پر جماعت سے رہ جانا مباح ہے۔ (فقه السنه ۱/ ۲۳۵)

حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی چاروں ہی مذاہب میں بارش، مرض، سخت اندھیرے، شدید سردی، تیز آندھی، کیچڑ، تنگدست ومقروض کے قرض خواہ کے بند کرلینے کے اور دشمن کے خوف کے وقت جماعت سے رہ جانے کی اجازت ہے اور وہ نابینا آدمی جو خود مسجد نہ جاسکتا ہو اور نہ ہی اسے کوئی لیجانے والا ہو، تو اسے بھی رخصت ہے۔ (الفقه علی المذاهب الاربعه علامه جزیری ۱/ ٤۲۸)

⑥ جماعت سے رہ جانے کا چھٹا شرعی عذر (سخت ضرورت) بھی ہے۔چنانچہ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ إِقْبَالُهُ عَلٰى حَاجَتِهِ حَتّٰى يَقْبِلَ عَلٰى صَلَاتِهِ وَقَلْبُهُ فَارِغٌ))

(بخاری مع الفتح ۲/ ۱۵۹، تعلیقاً وَوَصَلَهُ ابْنُ الْمُبَارَكِ فِي الزُّهْدِ والمزوی

فِيْ كِتَابِه : تعظِيْمُ قَدْرِ الصَّلَاةِ،نيل الاوطار ص: ١٥٦ ،فقه السنه ١/ ٢٣٥)

''انسان کی ،دین کے بارے میں سمجھ کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اگر اسے نماز کے وقت سخت ضرورت درپیش ہوتو پہلے وہ اپنی ضرورت پوری کر لے تا کہ جب وہ نماز کی طرف آئے تو پوری دل جمعی کے ساتھ آئے۔''

علماء احناف میں سے پاک وہند کے معروف عالم مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں:

ان حدیثوں میں طوفانی ہوا یا بارش یا سخت سردی میں یا پیشاب پاخانے یا کھانے پینے کے تقاضے کی حالت میں جماعت سے غیر حاضری اور اکیلے ہی نماز پڑھنے کی جو اجازت دی گئی ہے یہ اس بات کی واضح مثال ہے کہ شریعت میں انسانوں کی حقیقی مشکلوں اور مجبوریوں کا کتنا لحاظ کیا گیا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾

(سورة الحج: ٧٨)

''اللہ نے دین میں تمہارے لیے تنگی اور مشکل نہیں رکھی ہے۔''

(معارف الحديث ٢٠٣/٢، ٢٠٤)

جماعت کیلئے کم از کم تعداد

نمازِ باجماعت کے موضوع میں ایک قابلِ توجہ مسئلہ یہ بھی ہے کہ آیا جماعت کی فضیلت کیلئے ضروری ہے کہ ایک صف یا کئی صفوں پر مشتمل جماعت ہو، تبھی وہ غرض حاصل ہوگی یا چند افراد بھی مل کر باجماعت نماز ادا کرلیں تو جماعت کی فضیلت حاصل ہوسکتی ہے؟ اور کم از کم کتنے آدمی ہوں تو ان کے ملنے سے جماعت بن جاتی ہے؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ:

صرف ایک مرد:

جماعت کی فضیلت اس وقت بھی حاصل ہو جاتی ہے جب امام کے سوا صرف ایک ہی دوسرا شخص موجود ہو، یعنی صرف دو آدمیوں کے مل جانے سے جماعت بن جاتی ہے، جن میں سے ایک امام اور دوسرا مقتدی ہوگا۔ اس سلسلہ میں ایک روایت تو ابن ماجہ، معانی الآثار طحاوی، دارقطنی اور بیہقی میں ہے جو حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی حضرات سے مرفوعاً مروی ہے، جس میں ہے:

((اِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهَا جَمَاعَةٌ)) (ارواء الغلیل ۲/۲۴۸)

''دوافراد یا دو سے زیادہ افراد جماعت ہیں۔''

لیکن اس روایت کے جتنے بھی طُرق ہیں انہیں امام بیہقی، بوصیری، ذہبی، ابن حجر، قسطلانی، ابو حاتم، ابن حبان اور نسائی جیسے عظیم محدّثین اور رئیس المحدّثین امام بخاری رحمہ اللہ کی تصریحات کے پیشِ نظر ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

(ارواء الغلیل ۲/۲۴۸۔ ۲۵۰)

البتہ ایک مرسل صحیح حدیث مسند امام احمد میں ہے، ولید بن ابو مالک تابعی رحمہ اللہ

فرماتے ہیں کہ:

''ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے نماز پڑھنا شروع کی تو

نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَلا رَجُلٌ يَّتَصَدَّقُ عَلىٰ هَذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهُ؟))

''کیا کوئی ایسا شخص نہیں جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے؟''

یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے لگا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((هَذَانِ جَمَاعَةٌ)) (الفتح الربانی ۵/۲۶۷، الارواء ۲/ ۲۵۰)

''یہ دونوں جماعت ہیں۔''

ان آخری کلمات پر مشتمل یہ حدیث مرسل ہے۔ جبکہ اِن آخری کلمات کے بغیر تو یہ واقعہ ابو داؤد، ترمذی، مسند احمد، مستدرك حاكم، ابن ابی شیبہ، بیهقی، مسند ابو یعلی اور محلّٰی ابن حزم میں صحیح سند سے موصولاً بھی مروی ہے۔

(ارواء الغلیل ۲/ ۳۱۶، نیل الاوطار ۲/ ۱۴۳، الفتح الربانی ۵/ ۲۶۸)

اس سے بھی دو آدمیوں کے مل کر نماز پڑھنے کا پتہ چلتا ہے، اور وہ بھی بامرِ رسالت مآب ﷺ اور اس مرسل حدیث میں تو واضح طور پر مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((هَذَانِ جَمَاعَةٌ))

''یہ دونوں جماعت ہیں۔''

اسی طرح ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، بیہقی اور مستدرک حاکم میں ایک حدیث ہے، جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((صَلَاةُ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكىٰ مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ))

(نیل الاوطار، الفتح الربانی و المشکوٰۃ)

"ایک شخص کی ایک آدمی کے ساتھ مل کر ادا کی ہوئی نماز، اکیلے نماز ادا کرنے سے اجر (وتکفیرِ ذنوب) کے لحاظ سے افضل ہے۔"

اس حدیث کے ان الفاظ سے بھی اہلِ علم نے دو آدمیوں کی جماعت کے انعقاد پر استدلال کیا ہے۔

(بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ٥/ ٧٣، المرعاۃ شرح المشکوٰۃ ٣/ ٧٥)

صحیح بخاری و مسلم، سننِ اربعہ، صحیح ابی عوانہ اور بیہقی میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، جو کہ سفر کا ارادہ رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں (وصیت کرتے ہوئے) فرمایا:

((إِذَا أَنْتُمَا خَرَجْتُمَا فَأَذِّنَا ثُمَّ أَقِيمَا ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا)).

"جب تم سفر پر نکل جاؤ تو (نماز کیلئے) اذان واقامت کہنا اور پھر تم دونوں میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔"

(بخاری: ٢/ ١١١، ارواء الغلیل ١/ ٢٢٨)

اِس ارشادِ نبوی ﷺ میں واضح صراحت موجود ہے کہ دو آدمیوں کی بھی جماعت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر باب ہی یہ باندھا:

(بَابُ اِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ)

(بخاری مع الفتح ٢/ ١٤٢)

"دو اور دو سے زیادہ کے جماعت ہونے کا بیان۔"

اِسی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ جماعت کی کم از کم تعداد صرف دو یعنی امام اور مقتدی ہے، اور اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ مقتدی مرد ہو یا سمجھدار بچہ یا عورت۔ (فتح الباری ایضاً)

صرف ایک سمجھدار بچہ:

اگر صرف ایک سمجھدار بچہ ہی امام کے ساتھ ہو، تب بھی جماعت ہو جاتی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم، سنن اربعہ اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں ایک رات اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سویا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس رات انہی کے پاس تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کیا اور نماز پڑھنے لگے:

((فَقُمْتُ عَلٰى يَسَارِهٖ فَأَخَذَنِيْ وَجَعَلَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ فَصَلّٰى ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً))

(بخاری مع الفتح ۲/ ۱۹۱، نیل الاوطار ۲/۳/ ۱٤۲، الفتح الربانی ٥/ ۲٦۸)

"میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑ کر اپنی دائیں جانب کر لیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ رکعتیں ادا فرمائیں۔"

اس صحیح حدیث سے بھی دو آدمیوں کی جماعت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی چاہے کوئی سمجھدار بچہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا خود اپنا بیان مسند احمد کی حدیث میں یہ ہے:

((وَأَنَا يَوْمَئِذٍ ابْنُ عَشْرِ سِنِيْنَ)) (نیل الاوطار ص: ۱٤۲)

''جبکہ میں ان دنوں دس سال کا تھا۔''

تاہم بچے کے مقتدی ہونے کی شکل میں آئمہ کے مابین فرض اور نفل نمازوں میں فرق اور کچھ اختلاف ہے۔

(نیل الاوطار ۱۴۲/۳/۲ ، الفتح الربانی ۲۶۹/۵، المغنی لابن قدامۃ ۴۷/۲)

صرف ایک بیوی:

ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنِ اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ فَصَلَّيَا رَكْعَتَيْنِ جَمِيعاً كُتِبَا مِنَ الذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيراً وَّالذَّاكِرَاتِ))

(نیل الاوطار ۱۴۳/۳/۲)

''جو شخص رات کو جاگا اور اس نے اپنی اہلیہ کو بھی بیدار کیا اور دونوں نے نماز پڑھی تو ان دونوں کو (ارشادِ الٰہی) ﴿الذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيراً وَّالذَّاكِرَاتِ﴾ (یعنی اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں) میں لکھ دیا گیا۔''

اس حدیث ایک آدمی اور عورت کی جماعت کے صحیح ہونے پر استدلال کیا گیا ہے اور فقہاء کرام ایسے شخص کی امامت کے صحیح ہونے کے قائل ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ المجموع شرح المهذّب (۹۳/۵) میں لکھتے ہیں:

جماعت کم از کم دو آدمیوں امام اور مقتدی سے بن جاتی ہے اور جب کوئی آدمی کسی ایک مرد یا اپنی عورت یا اپنی کنیز یا اپنی بیٹی وغیرہ یا اپنے غلام یا آقا وغیرہ کے ساتھ مل کر نماز ادا کر لے تو ان دونوں کو جماعت کی فضیلت یعنی پچیس یا ستائیس گنا ثواب مل جائے گا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ شیخ ابو حامد وغیرہ نے اس پر تمام (آئمہ وفقہاء) کا اجماع نقل کیا ہے۔

صف بندی

ایک مرد، بچے اور عورت کی شکل میں صف بندی کی ترتیب:

صرف ایک مقتدی مرد یا سمجھدار لڑکا ہوتو اسے کہاں کھڑے ہونا ہوگا؟ اور اگر وہ عورت ہوتو وہ کہاں کھڑی ہوگی؟ اور اگر مرد، بچے اور عورتیں سب ملے جلے مقتدی ہوں تو جماعت کیلئے صف بندی کی کیا صورت ہوگی؟

اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بات پیشِ نظر رہے کہ نماز کیلئے جو اجتماعی نظام (جماعت) کی شکل میں تجویز کیا گیا ہے اسکے لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ لوگ صفیں بنا کر برابر کھڑے ہوں اور ظاہر ہے کہ جماعت جیسی اجتماعی عبادت کیلئے اس سے زیادہ حسین وسنجیدہ اور اس سے بہتر دوسری کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔

پھر اس کی تکمیل کیلئے آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں ،کوئی شخص صف سے ذرہ برابر آگے اور سرِ مو پیچھے نہ ہو، زیادہ لوگ ہونے کی شکل میں پہلے اگلی صف پوری کرلی جائے۔ اس کے بعد دوسری اور پھر بعد کی صف شروع کی جائے۔ اہل علم وفضل، عمر رسیدہ اور ذمہ دار لوگ نہ صرف صفِ اوّل میں کھڑے ہونے کی بلکہ علم وفہم والے امام کے عین پیچھے اور قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اور اگر خواتین جماعت میں شریک ہوں، تو ان کی صف سب سے پیچھے ہو۔ امام سب سے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا مقصد جماعت کی تکمیل اور اس کو زیادہ مفید ومؤثر بنانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان

باتوں کا عملاً اہتمام فرماتے اور وقتاً فوقتاً امت کو بھی ان امور کی ہدایت وتلقین فرماتے اوران کا ثواب بیان فرما کر ترغیب دیتے، نیز ان امور میں لاپرواہی کرنے والوں کو سخت تنبیہہ فرماتے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے۔

(معارف الحدیث ۳/ ۲۰٤)

ان چند بنیادی اور اجمالی امور کے بعد اب آیئے اصل موضوع کی طرف کہ اگر صرف ایک ہی مقتدی ہوتو وہ کہاں کھڑا ہو، اوراگر دو یا زیادہ ہوں تو وہ کہاں؟

اس ترتیب اور صف بندی کی وضاحت نبیِ اکرم ﷺ کے قول وعمل پر مبنی صحیح احادیث میں مذکور ہے۔صرف ایک ہی مرد یا سمجھدار بچہ ہونے کی شکل میں وہ امام کے ساتھ مل کر دائیں جانب کھڑا ہوگا، جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم، سُنَنِ اربعہ اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: کہ میں نے ایک رات اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گزاری (رات کو) نبیِ اکرم ﷺ نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو میں آپ ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہوگیا:

((فَأَخَذَ بِيَدِيْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِهٖ إِلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ))

(متفق علیه، مشکوٰة ۱/ ۳٤٦، بخاری مع الفتح ۲/ ۱۹۱، نیل الاوطار ۲/۳/ ۱٤۲، المرعاة ۳/ ۹٤)

”نبیِ اکرم ﷺ نے اپنی پشتِ مبارک کے پیچھے سے (یعنی بایاں دستِ مبارک بڑھا کر) میرا ہاتھ (اور بخاری شریف کی روایت کے مطابق سَر) پکڑا اوراسی طرح اپنے پیچھے سے مجھے اپنی دائیں جانب لا کھڑا کیا۔“

اس حدیث شریف سے دیگر متعدد مسائل کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اکیلے مقتدی کی جگہ امام کے ساتھ دائیں جانب ہے۔ (للتفصیل : المرعاة)

اگر مقتدی صرف ایک عورت یعنی اپنی، بیوی، بہن یا بیٹی وغیرہ ہو تو اسے بہرحال امام کے پیچھے اکیلے ہی کھڑے ہونا پڑے گا، اور وہ اکیلی ہی صف کے حکم میں شمار کی گئی ہے، جیسا کہ ابن عبدالبر کے حوالہ سے فتح الباری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْمَرْأَةُ وَحْدَهَا صَفٌّ))

(فتح الباری ۲/ ۲۱۲)

''عورت اکیلی ہی پوری صف ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں انہی الفاظ پر مشتمل باب قائم کیا ہے:

(بَابُ الْمَرْأَةُ وَحْدَهَا تَكُونُ صَفًّا)

''عورت کے اکیلے ہی صف ہونے کا بیان۔''

پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث لائے ہیں جو کہ صحیح بخاری، مؤطا امام مالك، سنن اربعه (إلا ابن ماجه) اورمسند امام احمد میں بھی معمولی سے لفظی فرق کے ساتھ موجود ہے۔

(کما أشار الیه الحافظ فی الفتح ۲/ ۲۱۲، ولم یوافقه الرحمانی فی المرعاة ۳/ ۹٦)

جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((صَلَّيْتُ أَنَا وَيَتِيمٌ فِي بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَأُمِّي أُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا))

(بخاری مع الفتح ۲/ ۲۱۲، مشکوٰۃ ۱/ ۳٤٦ لکنه عزاه الی مسلم فقط)

''میں نے اور یتیم نے (جو ان کے بھائی سُلیم تھے) ہم دونوں نے اپنے گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی، اور میری ماں ام سلیم نے ہم دونوں

کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھی۔"

صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور میری ماں یا خالہ کو نماز پڑھائی:

((فَأَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ وَأَقَامَ الْمَرْأَةَ خَلْفَنَا)).

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی دائیں جانب اور خاتون کو ہمارے پیچھے کھڑا کیا۔"

(مشکوٰۃ ۱/ ۳۴٦ ، المرعاۃ شرح مشکوٰۃ للرحمانی ۳/ ۹۷)

اِن احادیث شریفہ سے امام کے علاوہ ایک مرد، ایک بچہ اور ایک عورت، اسی طرح ایک مرد اور ایک عورت ہو تو ان کے کھڑے ہونے کی ترتیب واضح ہوگئی۔

حنابلہ کا مسلک مرد اور بچے کے مقتدی ہونے کی شکل میں یہ لکھا ہے کہ مرد امام کے دائیں پہلو میں کھڑا ہو، اور بچہ چاہے دائیں کھڑا ہو جائے یا بائیں، مگر پیچھے کھڑا نہ ہو۔ (الفتح الربانی ۵/ ۵۹۷)

جبکہ یہ یتیم والی حدیث کے خلاف ہے۔

جب مرد، عورتیں اور سمجھدار بچے سب ملے جلے موجود ہوں تو پہلے مردوں پھر بچوں اور پھر عورتوں کی صف ہوگی، جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم کی احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ اور اس کی تائید ابوداؤد میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ والی حدیث سے بھی ہوتی ہے، مگر اسے بعض کبار محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(مشکوٰۃ ۱/ ۳۴۸ بتحقیق الالبانی)

سمجھدار بچوں کا یہ حکم تب ہے جب وہ دو یا زیادہ ہوں، اگر صرف ایک ہی ہو، تو وہ بقول علامہ سبکی، مردوں کی صف میں ہی داخل ہو جائے اور پیچھے اکیلا کھڑا نہ ہو۔

(عون المعبود :۲/ ۳۷۳)

پہلے ایک پھر دو یا زیادہ مقتدی ہو جانے کی صورت میں طریقِ کار:

اگر نماز کا آغاز کرتے وقت صرف ایک مرد اور بعد میں دورانِ نماز ہی دوسرا ایک یا زیادہ آدمی آجائیں تو پھر کیا طریقِ کار ہوگا؟ اس سلسلہ میں صحیح مسلم، ابوداؤد، مسند احمد اور بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِيُصَلِّيَ فَجِئْتُ حَتّٰى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَأَخَذَ بِيَدِيْ فَأَدَارَنِيْ حَتّٰى أَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ، ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَخَذَ بِيَدَيْنَا جَمِيْعاً فَدَفَعَنَا حَتّٰى أَقَامَنَا خَلْفَهٗ))

(مشکوٰۃ ۱/ ۳٤٦ ، الفتح الربانی ٥/ ۲۹٤ ، النیل ۲/ ۳/ ۱۷۸)

"(ایک مرتبہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز (مغرب) کیلئے کھڑے ہوئے، میں آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور (اپنے پیچھے کی جانب سے گھما کر) اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا۔ پھر اتنے میں جبار بن صحر رضی اللہ عنہ آگئے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کر پیچھے کو دھکیلا اور اپنے پیچھے کھڑا کر لیا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مقتدی دو ہو جائیں تو وہ امام کی دائیں اور بائیں جانب نہیں بلکہ پیچھے کھڑے ہوں گے اور امام کو چاہیئے کہ جب دوسرا مقتدی بھی آجائے تو اُسے اور اپنی دائیں جانب والے کو پیچھے کی طرف دھکیل دے۔ اور یہ اُس وقت ہے جبکہ پیچھے جگہ موجود ہو۔ اگر پیچھے جگہ نہ ہو، بلکہ آگے کی طرف گنجائش ہو، تو پھر امام کو چاہیئے کہ وہ خود آگے بڑھ جائے۔ اور ایک صف کے برابر فاصلہ طے کر کے

آ گے بڑھنے سے فقہ حنفی کے مطابق بھی امام کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ قاضی خان، اشعۃ اللمعات شرح مشکاۃ فارسی میں مذکور ہے۔

(بحواله فتاوى نذيريه ١/ ٥٠٧ ، فتاوى علمائے حديث مولانا علي محمد سعيدى ٣/ ٤٩۔ ٥٠)

اس بات کی تائید ترمذی شریف کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

(أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا كُنَّا ثَلَاثَةٌ أَنْ يَتَقَدَّمُنَا أَحَدُنَا)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ جب ہم تین نمازی ہوں، تو ہم میں سے ایک (یعنی امام) آگے بڑھ جائے۔" (ترمذی مع التحفه ٣/ ٢٧)

یہ روایت محدثینِ کرام اور اہلِ تحقیق علماء کے نزدیک متکلم فیہ ہے، لہذا فی نفسہ تو قابلِ استدلال و حجت نہیں لیکن چونکہ حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی سابقہ صحیح احادیث میں بھی یہ مفہوم موجود ہے لہذا اس روایت سے ان کی تائید حاصل ہوگئی۔

(تحفه الاحوذى ٣/٢٨، المرعاة ٣/ ٩٩ ، نيل الاوطار ٢/ ٣/ ١٧٨)

یہ حدیث لانے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں کہ اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے۔ان کا کہنا ہے کہ جب تین آدمی ہوں تو دو آدمی پیچھے کھڑے ہوں اور آگے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مسلک کی طرف بھی اشارہ کردیا کہ انھوں نے علقمہ اور اسود کو نماز پڑھائی تو ان میں سے ایک کو اپنی دائیں اور دوسرے کو بائیں جانب کھڑے کیا۔ (حواله سابقه از تحفه)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صحیح مسلم و ترمذی میں انہی پر موقوف بیان ہوئی ہے۔اور ابوعمر (علامہ ابن عبدالبر) نے اس کے موقوف ہونے کو ہی صحیح قرار دیا

ہے۔ جبکہ ابو داؤد، نسائی اور مسند احمد میں یہ مرفوعاً بیان ہوئی ہے جس کی سند کا ایک راوی ہارون بن عنترہ متکلم فیہ ہے۔ امام شافعی کے علاوہ دیگر کثیر اہلِ علم نے اس روایت کو منسوخ قرار دیا ہے کیونکہ اس روایت میں رکوع کے وقت ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کی بجائے دونوں رانوں کے درمیان رکھنے کا ذکر بھی ہے، جسے فقہی زبان میں تطبیق کہا گیا ہے۔ اور ایسے ہی بعض دیگر امور جو کہ متروک ہو چکے ہیں، ان کا اس روایت میں مذکور ہونا اس کے منسوخ ہونے کا ثبوت ہے۔ اور ویسے بھی صحیح احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ حدیث انکا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

(نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۸۰)

کبار علماء احناف میں سے امام طحاوی رحمہ اللہ نے ایک روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی یہ توجیہ امام ابن سیرین سے نقل کی ہے کہ ان کا یہ عمل اس مجبوری کے تحت تھا کہ پیچھے کھڑے کرنے کی جگہ نہیں تھی، لہٰذا انھوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو اپنے دائیں اور بائیں کھڑے کرلیا۔

(فتح الباری ۲/ ۲۱۲، تحفہ الاحوذی ۳/ ۲۹)

امام بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اکثر اہلِ علم کا قول یہی ہے کہ جب امام دو مقتدیوں (مردوں) کو نماز پڑھائے تو ان دونوں کے (درمیان نہیں بلکہ) آگے کھڑا ہو۔ بعض اہل علم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مسلک کی طرف گئے ہیں۔ (نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۸۰، الفتح الربانی ۵/ ۲۹۷)

الغرض جب امام صرف ایک مقتدی کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو اور اسی دوران ایک یا زیادہ نمازی آ جائیں، تو امام اپنی دائیں جانب والے مقتدی کو پیچھے کردے، بصورتِ دیگر خود آگے بڑھ جائے۔

صف میں خالی جگہ نہ چھوڑنا:

نمازِ باجماعت کیلئے صف بندی کی ترتیب کے سلسلہ میں ہی یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ نمازیوں کی کثرت کے وقت ضروری ہے کہ پہلے اگلی صف مکمل کی جائے۔اور جب اس میں کوئی جگہ باقی نہ رہے تو پھر دوسری اور اسی طرح یکے بعد دیگرے پچھلی صفوں کو مکمل کرنا ضروری ہے۔

جبکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اگلی صف میں دائیں یا بائیں جانب ابھی جگہ باقی ہوتی ہے اور لوگ نئی صف بنانے لگ جاتے ہیں یہ نبی ٔ اکرم ﷺ کے ارشادِ گرامی کی صریح خلاف ورزی ہے، کیونکہ ابوداؤد، مسند احمد، نسائی اور بیہقی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((أَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِیْ یَلِیْهِ فَمَا کَانَ مِنْ نَقْصٍ، فَلْیَکُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ)) .

(ابو داؤد مع العون ۲/ ۳٦۹،المرعاۃ ۳/ ۸۹ ۔ ۹۰ و صححه الالبانی فی تحقیق المشکوٰۃ ۱/ ۳٤۲)

”لوگو! پہلے اگلی صف پوری کیا کرو، پھر اس کے قریب والی پچھلی صف (اور یہ اس لئے کہ) جو کمی رہے، وہ آخری صف میں ہی رہے۔“

صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں نبی ٔ اکرم ﷺ نے اس انداز کو فرشتوں کا انداز قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

((أَلَا تَصُفُّوْنَ کَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِکَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ؟)) .

”کیا تم اس طرح صفیں نہیں باندھ سکتے جیسے کہ فرشتے اپنے رب کے حضور صفیں بناتے ہیں؟“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! فرشتے اپنے رب کے

حضور کیسے صفیں بناتے ہیں؟ تو فرمایا:

((يُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْمُقَدَّمَةَ يَتَرَاصُّوْنَ فِي الصَّفِ))

''وہ پہلے اگلی صفیں مکمل کرتے ہیں اور ہر صف کے نمازی باہم خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔''

(مسلم ۲/ ۴/ ۱۵۳ ، ابو داؤد :۲/ ۳٦۱ ، ۳٦۲ ، مشکوٰۃ ۱/ ۳۴۱)

ان احادیث سے بقول شارح ابوداؤد علامہ عظیم آبادی:

''یہ تو معلوم نہیں ہوتا کہ آخری صف میں جو کمی رہے، وہ کہاں رہے؟ اور وہ مقتدی کہاں کھڑے ہوں جو آخری صف کیلئے چند ایک ہی بچ گئے ہوں؟ مگر حضرت ابو ہریرہ صوالی روایت کے ظاہری مفہوم سے پتہ چلتا ہے کہ صف بندی کا آغاز درمیان سے کیا جائے اور جو جگہ بچے وہ دائیں بائیں ہی بچے۔'' (العون ۲/ ۳٦۹)

جبکہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ والی وہ حدیث بھی ابو داؤد اور بیہقی میں ہے، جس میں ہے:

((وَسِّطُوا الْإِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ))

(ابو داؤد:۲/ ۳۷۵ ، امام ابو داؤد و منذری نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے، دیکھیئے: المرعاۃ ۳/ ۹۲ و تحقیق المشکوٰۃ ۱/ ۳۴۴)

''امام کو صف کے عین درمیان میں رکھو اور صفوں میں (نمازیوں کے مابین پائی جانے والی) خالی جگہوں کو پر کرو۔''

آج کل یہ مسئلہ شاید مسلمانوں کی اکثریت کی نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے کہ وہ اپنے دائیں بائیں نمازی کے ساتھ مل کر کھڑے ہونے کی بجائے اپنے مابین خالی جگہیں چھوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں، اور خالی جگہوں کو پر کرنے کی کوشش نہیں کرتے

حالانکہ اس سلسلہ میں تو نبیٔ اکرم ﷺ نے اپنے متعدد ارشادات میں سخت تاکید فرمائی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جماعت کھڑی ہونے کیلئے اقامت ہوگئی تو نبیٔ اکرم ﷺ نے ہماری طرف رخِ انور کو پھیر کر فرمایا:

((أَقِيمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا))

(بخاری ٢ / ٢٠٨ ، مشکوٰۃ ١ / ٣٤٠ ، المرعاۃ ٣ / ٨٥)

''اپنی صفیں سیدھی کرلو اور باہم خوب مل کر کھڑے ہو جاؤ۔''

جبکہ مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کی سابقہ حدیث میں آپ ﷺ نے باہم خوب مل کر کھڑے ہونے کو اللہ کے حضور فرشتوں کے کھڑے ہونے کی ہیئت قرار دیا ہے۔ ابو داؤد ونسائی کے علاوہ صحیح ابن حبان، ابن خزیمہ اور بیہقی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَقَارِبُوْا بَيْنَهَا وَحَاذُوْا بِالْأَعْنَاقِ)).

''صفوں میں باہم خوب مل کر کھڑے ہوا کرو اور دو صفوں کو باہم قریب قریب بنایا کرو اور اپنی گردنوں کو ایک سیدھ میں رکھا کرو۔''

آگے ارشاد فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا الْحَذَفِ))

(المرعاۃ ٣ / ٨٩ و صححه الالبانی فی تحقیق المشکوٰۃ ١ / ٣٤٢)

''مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کے (دو نمازیوں کے درمیان

چھوڑے ہوئے) خلاء میں اس طرح داخل ہوجاتا ہے جیسے پستہ قد حجازی سیاہ بکری ہو۔"

اِسی طرح ابوداؤد ونسائی، مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((أَقِيمُوا الصُّفُوفَ وَحَاذُوا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ وَلِينُوا بِأَيْدِي إِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذَرُوا فُرُجَاتٍ لِلشَّيْطَانِ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَهُ قَطَعَهُ اللّٰهُ))

(المرعاة ۳/ ۹۲ و صحجه الالبانی فی تحقیق المشکوٰۃ ۱/ ۳٤۳٤)

"صفیں سیدھی کرواور اپنے کندھوں کو برابر رکھواور درمیانی خلاء کو پُر کرواور اپنے نمازی بھائیوں کے لیئے نرم ہوجاؤ (یعنی جب وہ اقامتِ صف کیلئے آپ کو کچھ آگے یا پیچھے یا اپنی طرف ملانے کیلئے ہاتھ بڑھائیں توان کے ہاتھوں میں نرم ہوجاؤ اپنی جگہ پر جمے رہ کر اکڑ نہ جاؤ) اور شیطان کیلئے اپنے (دائیں بائیں) خالی جگہیں مت چھوڑو۔ جس نے (خالی جگہوں کو پر کرکے) صف کو ملایا اُسے اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) ملائے گا اور جو شخص صف کو قطع کرے اُسے اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) قطع کرے گا۔"

کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملانا:

صف میں کھڑے نمازیوں کے مابین خالی جگہ نہ چھوڑنے کے بارے میں نبیٔ اکرم ﷺ نے اتنی تاکید فرمائی ہے کہ ہر دو نمازیوں کے مابین ذرہ برابر جگہ خالی نہیں ہونی چاہیئے، بلکہ باہم مل کر اس طرح کھڑے ہونے کا حکم فرمایا کہ گویا سیسہ پلائی دیوار ہو۔ اور اس غرض یعنی باہم مل کر صف میں کھڑے ہونے کے حکم

نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے اگر کوئی شخص اپنے ساتھ والے نمازی سے پاؤں ملانا چاہے تو بعض نمازی لاعلمی کی وجہ سے اپنا پاؤں مزید کھینچ کر قریب کر لیتے اور پھر خلاء بنا دیتے ہیں، جیسا کہ انہیں سنت و حکمِ رسول ﷺ سے کوئی چڑ ہو، مگر حسنِ ظن کا تقاضا یہی ہے کہ اُن کے اس فعل کو لاعلمی پر محمول کیا جائے۔ ایسے لوگوں کیلئے نبیٔ اکرم ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کے تربیت یافتہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسوہ و عمل مشعلِ راہ ہونا چاہیئے، نہ کہ اپنی لاعلمی یا ہٹ دھرمی۔

نمازیوں کے ایک دوسرے کے مابین خالی جگہیں نہ چھوڑنے کے بارے میں ارشاداتِ نبوی ﷺ کا اثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ تھا کہ صحیح بخاری شریف (کِتَابُ الْآذَان، بَابُ إِلْزَاقِ الْمَنْكِبِ بِالْمَنْكِبِ وَالْقَدَمِ بِالْقَدَمِ فِي الصَّفِّ) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((كَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ))

”ہم میں سے ہر ایک شخص اپنا کندھا دوسرے کے کندھے سے اور اپنا قدم دوسرے کے قدم سے ملا کر کھڑا ہوتا تھا۔“ (بخاری مع الفتح ۲/ ۲۱۱)

صحیح بخاری شریف کے اِسی بابِ مذکورہ کے ترجمہ میں تعلیقاً اور ابوداؤد و ابن خزیمہ میں موصولاً حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

(رَأَيْتُ الرَّجُلَ مِنَّا يُلْزِقُ كَعْبَهُ بِكَعْبِ صَاحِبِهِ)

”میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنا ٹخنہ اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ملا کر کھڑا ہوتا تھا۔“ (حوالہ سابقہ)

ان دونوں حدیثوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل مذکور ہے اور یہی بات سنن سعید بن منصور میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ گویا عہدِ نبوت اور دورِ صحابہ

میں اِسی پرعمل تھا۔ اس عہدِ مسعود کے بعد اس عمل میں کوتاہی آنا شروع ہوگئی حتیٰ کہ حضرت معمر رحمہ اللہ نے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے:

(وَلَوْ فَعَلْتَ ذٰلِکَ بِأَحَدِهِمِ الْيَوْمَ لَنَفَرَ کَأَنَّهُ بَغْلٌ شَمُوْسٌ)

''اگر تم آج کسی کے ساتھ ایسا (قدم ملانے کا کام) کرو، تو وہ اس طرح بدک جائے گا جیسے سرکش خچر۔'' (فتح الباری ۲/ ۲۱۱)

اور یہی حالت آج کل بھی پائی جاتی ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

ٹخنے سے ٹخنہ ملانے سے بعض علماء نے قدم سے قدم ملانا ہی مراد لیا ہے، جیسا کہ امام بخاری کی تبویب شاہد ہے اور حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے اور لکھا ہے کہ اگر ٹخنے سے ٹخنہ ملانا ہی مراد ہو تو اس میں کئی خرابیاں آتی ہیں مثلاً:

① بار بار پاؤں ہلا کر اور ٹیڑھے کر کے ایسا کرنا پڑے گا، جو خضوع کے خلاف ہے۔

② نمازی کے پاؤں قبلہ رخ نہیں رہیں گے۔

(فتاوی علمائے حدیث ۳/ ۲۰۔ ۲۱)

سابقہ اور ایسی ہی دیگر احادیث کے پیشِ نظر اکابر آئمہ وعلماء احناف کی واضح تصریحات بھی موجود ہیں کہ صف میں نمازیوں کو باہم خوب مل کر کھڑے ہونا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے معروف شاگردِ رشید امام محمد (کتاب الآثار) بَابُ اِقَامَةِ الصُّفُوفِ (ص ۲۱) میں لکھتے ہیں کہ ابراہیم کہا کرتے تھے:

(سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَسَوُّوْا مَنَاكِبَكُمْ وَتَرَاصَّوْا أَوْ لَيَتَخَلَّلَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ وَبِهِ نَأْخُذُ وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُتْرَكَ الصَّفُّ وَفِيْهِ الْخَلَلُ حَتَّى يُسَوُّوْا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيْفَةَ)

(فتاوی علمائے حدیث ۳/ ۸۱، فتاوی ثنائیہ ۱/ ۴۷۰)

''صفیں سیدھی اور کندھے برابر کرلو، ایسا نہ ہو کہ شیطان (بکری کے بچے کی

طرح) تمہارے درمیان داخل ہوجائے۔ہم بھی اِسی کو لیتے ہیں کہ صف میں خلاء چھوڑنا مناسب نہیں ،حتیٰ کہ ان کو درست نہ کرلیا جائے اور یہی (امام)ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔''

اسی طرح فقہ حنفی کی معتبر کتب بحر الرائق (ص ۳٦۳)(فتاوی عالمگیریہ ص ۱۳۴)اور درّ مختار (مع الشامی ص ۵۹۳)میں ہے:

(لِلْمَأْمُوْمِيْنَ أَنْ يَّتَرَاصَّوْا وَأَنْ يَسُدُّوا الْخَلَلَ وَأَنْ يُسَوُّوْا مَنَاكِبَهُمْ وَيَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ بِذٰلِكَ)

(فتاوی علمائے حدیث ۳/ ۸۱ ، فتاوی ثنائیه ۱/ ٤٧١)

''مقتدیوں کو چاہیے کہ (باہم خوب مل کر صف کو) چونا گچ کریں اور صفوں میں پائی جانے والی خالی جگہوں کو پُر کریں اور کندھوں کو ہموار رکھیں اور امام کو چاہیئے کہ (نماز شروع کرنے سے پہلے) انھیں اِس بات کا حکم دے۔''

ماضی قریب کے معروف حنفی عالم مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ بہشتی گوہر تتمہ حصہ دوم (۵۹) میں تحریر فرماتے ہیں:

''صف میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا چاہیئے ،درمیان میں خالی جگہ نہ رہنا چاہیئے۔''

(حواله سابقه ۱/ ٤٧٣ ، فتاوی علمائے حدیث ۳/ ۸۳)

اِسی طرح فتاویٰ غرائب، فتاویٰ تاتار خانیه، الذخیره اور فتح القدیر شرح هدایه میں بھی نمازیوں کا اپنے مابین خلاء چھوڑنا ممنوع لکھا ہے۔اور حنفی دیوبندی مسلک کی ان کتابوں کی طرح ہی حنفی بریلوی مکتبِ فکر کی مشہور کتاب بہارِ شریعت حصہ سوم ص ۱۲۷۔۱۲۸ پر بھی اس امر کی سخت تاکید لکھی ہے اور کئی احادیث کے حوالے ذکر کرنے کے بعد ابو داوٗد سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور طبرانی سے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایات بیان کی ہیں، جن میں وہ فرماتے ہیں:

''کہ اُس قدم سے بڑھ کر کسی قدم کا ثواب نہیں جو اسلیئے چلا کہ صف کے خلاء کو ختم کرے۔''

اور مسند بزار کی روایت جس کی سند کو حسن قرار دیتے ہوئے بہارِ شریعت میں

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ:

''جو شخص صف کی کشادگی (یعنی خالی جگہ) کو پُر کرے گا اُس کی مغفرت ہو جائے گی۔'' (للتفصیل فتاویٰ علمائے حدیث ۳/ ۸۰۔ ۸٤)

ایک اشکال کا ازالہ:

یہاں ایک سوال ہر کسی کے ذہن میں آ سکتا ہے کہ بھئی اگر نمازیوں نے قدموں سے قدم ملائے ہوئے بھی ہونگے تو شیطان کے لئے صفوں میں گُھسنا کیا مشکل ہے؟ نمازیوں کے دونوں پاؤں کے درمیان بھی تو جگہ خالی ہوتی ہے، وہ وہاں سے گھس جائے گا۔ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اِرشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واضح اشارہ ملتا ہے کہ وہ محض صفوں کے درمیان آ کر نماز میں خرابی پیدا نہیں کرتا جب تک کہ وہ دو نمازیوں کیلئے مضرّ نہ ہو، اور وہ خرابی دو نمازیوں کے درمیانی خلاء سے ہوتی ہے۔

اب بات یہ آ جاتی ہے چلیئے، اُس طرح نہیں تو پھر جب نمازی پاؤں سے پاؤں ملائے کھڑے ہونگے تو ہر نمازی کے دونوں قدموں کے درمیان جو جگہ خالی ہوتی ہے، وہ وہاں سے در آئے گا۔ اس بات کا جواب دیتے ہوئے کسی اللہ والے نے کیا خوب دانائی کا ثبوت دیا اور کہا کہ تم کہتے ہو شیطان نمازی کی ٹانگوں کے نیچے سے بھی گزر کر آ سکتا ہے۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ وہ بنی آدم کی ٹانگوں کے نیچے سے گزرے، کیونکہ

یہ وہی شیطان ہے جس نے نیچے سے گزرنا تو دور کی بات ہے خود حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سر جھکانے سے فرشتوں کی بھری محفل میں حکمِ الٰہی کا بھی انکار کر دیا تھا۔ وہ آج اُسی آدم علیہ السلام کی اولاد کے نیچے سے کہاں گزرنے لگا ہے؟

الغرض مسلمان کا شیوہ فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے نہ کہ وجوہات دریافت کرنا یا کیڑے نکالنا۔

صفیں سیدھی اور برابر کرنے کا حکم اور تاکید:

جس طرح صفوں کو خوب ملانے کا حکم اور اپنے درمیان خلاء چھوڑنے کی ممانعت ہے، اِسی طرح ہی نمازیوں کے آگے پیچھے کھڑے ہونے کی ممانعت اور صفوں کو سیدھا اور برابر کرنے کی بھی بڑی اہمیت اور تاکید بیان ہوئی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم، ابو داوٗد، ابن ماجہ اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ، فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ))

(متفق علیه ، بخاری مع الفتح ۲/ ۲۰۹ ،مشکوٰۃ ۱/ ۳۴۰ ، المرعاۃ ۳/ ۸۶)

”لوگو! نماز میں صفوں کو برابر کیا کرو، کیونکہ صفوں کا سیدھا و برابر کرنا اقامتِ نماز کا جزء ہے۔“

یعنی وہ اقامتِ نماز جسکا قرآنِ کریم میں جا بجا حکم دیا گیا ہے۔ اُس کی مکمل ادائیگی کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ صفیں بالکل سیدھی اور برابر ہوں۔ اور صحیح مسلم، ابوداوٗد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد اور بیہقی میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اسقدر سیدھا کراتے کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے

ذریعے تیروں کو سیدھا کرینگے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال ہو گیا کہ اب ہم لوگ (اس حکم کو) اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔ اس کے بعد ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لیئے اپنی جگہ کھڑے بھی ہو گئے اور قریب تھا کہ آپ ﷺ تکبیر کہہ کر نماز شروع فرمادیں کہ آپ ﷺ کی ایک شخص پر نگاہ پڑی، جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو بالکل سیدھا کرلو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رخ ایک دوسرے کے مخالف کردے گا۔''

(مسلم مع النووی ۲/ ٤/ ۱۵۷، مشکوٰۃ مع المرعاۃ ۳/ ۸٤، نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۸۷)

یعنی تمہاری وحدت کو پارہ پارہ کردے گا جو کہ امتوں اور قوموں کیلئے اس دنیا میں سو عذابوں کا ایک عذاب ہے۔

خلاء پُر کرنے کا طریقہ:

صفوں میں خلاء پُر کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ امام کی دائیں جانب والے حصہ میں کھڑے ہوں، وہ اپنا بایاں پاؤں اپنے بائیں پہلو والے نمازی سے ملا کر کھڑے ہوں، اور جو لوگ امام کی بائیں طرف کھڑے ہوں، وہ اپنا دایاں پاؤں اپنے سے دائیں نمازی کے پاؤں سے ملا کر رکھیں، تو نہ خلاء بچتا ہے اور نہ ہی کسی نمازی کو ضرورت سے زیادہ پاؤں کھولنے کی ضرورت رہتی ہے۔ اگر اس طریقہ پر عمل نہ کیا جائے اور ہر شخص کوشش نہ کرے تو چند لوگوں کی انفرادی کوشش سے اصل مقصود حاصل نہیں ہو پاتا، چاہے وہ کتنے بھی پاؤں کھولیں، آخر پاؤں کھولنے کی بھی تو ایک حد ہے۔

مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد اور بیہقی میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نماز کیلئے کھڑے ہوتے وقت ہمیں برابر کرنے کی غرض سے ہمارے کندھوں پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے کہ برابر سیدھے ہوجاۓ اور (آگے پیچھے ہوکر) مختلف نہ ہو کہ کہیں تمہارے دل مختلف نہ ہوجائیں ،پھر آپ ﷺ فرماتے:

((لِيَلِنِي مِنكُمْ أُولُوا الْأَحْلَامِ وَالنُّهَىٰ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ))

(مسلم مع النووی ۲/ ٤/ ١٥٤ ،ابو داؤد مع العون ۲/ ۳۷۱ ،مشکوٰۃ ۳/ ۸۷)

''تم میں سے جو دانشمند اور سمجھدار لوگ ہیں وہ میرے قریب کھڑے ہوں، پھر وہ جن کا درجہ اس صفت میں ان کے قریب اور پھر وہ جوان کے قریب والے ہوں۔''

یہ آخری الفاظ صحیح مسلم، ابو داؤد، ترمذی، مسند احمد اور بیہقی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہیں۔

(حوالۂ سابقہ)

امام نووی رحمہ اللہ اور امام خطابی (معالم السنن ۱/ ۱۸٤-۸۵ میں) لکھتے ہیں کہ:

''پڑھے لکھے لوگوں کو قریب کھڑے ہونے کا حکم اسلیئے فرمایا تا کہ وہ مسائل واحکامِ نماز کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اگر کبھی دورانِ نماز کوئی عذر پیش آجائے تو امامت کی ذمہ داری اٹھا کر جماعت کا نظم برقرار رکھ سکیں اور بھول وغیرہ ہوجانے کی شکل میں آپ ﷺ ان کے لقمہ کی طرف مراجعت کرسکیں۔'' (المرعاۃ ایضاً ،عون المعبود ۲/ ۳۷۲)

صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنا اور اگلی صف سے آدمی کھینچنا

اگر کوئی شخص ایسے وقت مسجد میں پہنچے جبکہ جماعت کھڑی ہو چکی ہو، اور جتنی بھی صفیں ہوں مکمل ہو چکی ہوں تو وہ کہاں کھڑا ہو اور کیا کرے؟

اگر تو وضوء کر کے آنے والے کے جلد ہی پہنچ جانے کی توقع ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ شخص نئی صف کے وسط میں آکر نماز کی جماعت میں شامل ہو جائے۔ اور اگر پیچھے سے کسی دوسرے کے ملنے کی توقع ہی نہ ہو، تو اس صورتِ حال میں نمازی کیلئے دو ہی راستے ہوتے ہیں:

① اکیلے نماز پڑھنا:

پہلا یہ کہ اکیلا ہی کھڑا ہو جائے، مگر صحیح احادیث میں اس بات کی ممانعت آئی ہے، اور صف کے پیچھے تنہا نماز ادا کرنے والے شخص کو نبی اکرم ﷺ نے نماز دہرانے کا حکم فرمایا تھا، جیسا کہ ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، دارمی، بیہقی اور محلی ابن حزم میں حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((رَأَىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلاً يُصَلِّي خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيْدَ الصَّلَاةَ))

(مشکوٰۃ ۱/ ۳۴۵، المرعاۃ ۳/ ۹۳ ـ ۹۴ و صححه الالبانی فی الارواء ۲/ ۳۲۳ ـ ۳۲۹)

"نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھ رہا

تھا؟ تو آپ ﷺ نے اُسے حکم فرمایا کہ وہ اپنی نماز دہرائے۔''

اسی طرح ابن ماجہ، مسند احمد، المحلّٰی، بیہقی، ابن حبان اور مسند بزار میں حضرت علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے صف کے پیچھے تنہا نماز ادا کرنے والے صحابی کو دیکھ کر فرمایا:

((اِسْتَقْبِلْ صَلَاتَکَ، فَإِنَّهُ لَاصَلَاةَ لِرَجُلٍ فَرْدٍ خَلْفَ الصَّفِّ))

(الفتح ۲/ ۲۱۳، النیل ۲/۳/ ۱۸٤، المرعاۃ ۹۳/۳، و صححه الالبانی فی الارواء ۲/ ۳۲۹)

''اپنی نماز دوبارہ پڑھو، کیونکہ صف کے پیچھے تنہا نماز ادا کرنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔''

ان احادیث کی بناء پر حضرت ابراہیم نخعی، امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ابن المنذر، اوزاعی اور ایک قول میں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے کہ ایسے شخص کی نماز نہیں ہوتی جبکہ امام ابوحنیفہ، مالک اور شافعی رحمہم اللہ رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ ایسے شخص کی نماز تو ہو جائے گی، لیکن وہ گناہگار ہوگا اور علامہ عینی اس قول کی توجیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز تو اس لیئے ہو جائے گی کہ اِس کا تعلق ارکان سے ہے جو ادا ہوئے۔ رہا مسئلہ گناہ کا، تو وہ اس لیئے کہ ایسے شخص سے ایک ممنوع کام سرزد ہوا ہے۔ (المرعاۃ ۳/ ۹۳)

ان حضرات نے نماز کی نفی کو نفیٔ کمال پر اور اعادے کو استحباب پر محمول کیا ہے۔ گویا ایسے آدمی کی نماز تو ہو جائیگی لیکن یہ مکروہ ہے۔

② آدمی پیچھے کھینچنا:

ایسی صورتِ حال میں دوسرا راستہ یہ ہے کہ اگلی مکمل صف سے ایک آدمی کو پیچھے کھینچ لیا جائے۔ اور یہ شکل بھی مختلف فیہ ہے۔ بعض نے اسے جائز اور بعض نے ممنوع قرار دیا ہے۔ جائز کہنے والوں کا استدلال جن احادیث سے ہے ان میں سے ایک تو بیہقی، مسند ابو یعلی اور طبرانی اوسط میں حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں ایسے شخص کے بارے میں جس نے تنہا نماز ادا کی، یہ کہا گیا:

((أَيُّهَا الْمُصَلِّي هَلَّا دَخَلْتَ فِي الصَّفِّ أَوْ جَرَرْتَ رَجُلاً مِنَ الصَّفِّ، أَعِدْ صَلَاتَكَ))

(بیهقی ۳/ ۱۰۵ ، النیل ج: ۲ ص: ۱۸۶)

”اے نمازی! تو صف میں داخل کیوں نہ ہوا؟ یا پھر تم نے صف سے کسی آدمی کو کیوں نہ کھینچ لیا؟ اپنی نماز دہراؤ۔“

جبکہ محدّثینِ کرام کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔

(ارواء الغلیل ۲/ ۳۲۵۔ ۳۲۹ ، النیل ایضاً و سبل السلام ۲/ ۳۳)

دوسری حدیث سنن کبریٰ بیہقی اور مراسیل ابوداؤد میں ہے:

((إِنْ جَاءَ رَجُلٌ فَلَمْ يَجِدْ أَحَداً، فَلْيَخْتَلِجْ إِلَيْهِ رَجُلاً مِنَ الصَّفِّ، فَلْيَقُمْ مَعَهُ فَمَا أَعْظَمَ أَجْرُ الْمُخْتَلَجِ))

(سنن بیهقی ۳/ ۱۰۵ ، نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۸۶)

”اگر کوئی شخص آئے اور اپنے ساتھ کسی کو نہ پائے تو اُسے چاہیئے کہ اگلی صف سے کسی آدمی کو کھینچ لے اور اسکے ساتھ کھڑا ہو۔ اور جس شخص کو کھینچا گیا، اسے بہت ثواب ہے۔“

یہ روایت بھی مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ مرسل بھی ضعیف کی

اقسام سے ہے

البتہ صرف ایک مقتدی ہونے کی شکل میں آدمی کو کھینچنے کی نظیر موجود ہے، اوران ضعیف احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، لہٰذا یہ جائز ہے۔ امام شوکانی وامام صنعانی کا رجحان جواز کی طرف ہی ہے۔

آدمی پیچھے کھینچنے کی خرابیاں :

اہل علم کی دوسری جماعت کہتی ہے کہ پہلی صف سے آدمی کو کھینچ لینے میں کئی خرابیاں ہیں:

① پہلی یہ کہ اُس کھینچنے والے نے اُس پہلے نمازی کی صفِ اوّل کی فضیلت ضایع کردی جبکہ صحیح بخاری شریف میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ لَاسْتَهَمُوْا))

(بخاری مع الفتح ۲/ ۲۰۸ ، مسلم مع النووی ۲/ ۴/ ۱۵۲ ـ ۱۵۸)

''اگرلوگوں کوپہلی صف میں کھڑے ہونے کا ثواب معلوم ہوتا، تو وہ اس کے حصول کیلئے قرعہ اندازی کیا کرتے۔''

② دوسری خرابی یہ ہے کہ آدمی کھینچ لینے سے اس صف میں خلاء پیدا ہو جائے گا، جبکہ صف کو منقطع کرنا بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا امام احمد واسحاق بن راہویہ نے آدمی کھینچنے کو فعلِ قبیح اور امام مالک واوزاعی نے مکروہ قرار دیا ہے۔ اور امام مالک کا کہنا ہے کہ نمازی اکیلا ہی کھڑا ہو جائے۔ جبکہ دوسروں کے نزدیک اگلی صف سے آدمی کھینچ لینا جائز ہے۔

(فتح الباری ۲/ ۲۱۳ ، و هناك تعليق لابن باز، نيل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۸۶ ، الفتح الربانی ۵/ ۳۲۸ ـ ۳۲۹)

مولانا عبدالمجید سوہدروی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی اور مولانا عبدالجبار عمرپوری کے فتاویٰ بابتِ جواز (کہ آدمی کھینچ لیا جائے) کی تفصیلات کیلئے دیکھیئے۔ فتاویٰ علماء حدیث کتاب الصلاۃ جلد سوم ص ٧٦۔٧٩۔ امام ابن تیمیہ اس میں عدمِ جواز کے قائل ہیں۔

(الاختیارات الفقهیه امام ابن تیمیه ص: ٧١ و نقله عنه الالبانی فی الضعیفه ٢/ ٣٢٣، مجموع الفتاویٰ لابن تیمیه ٢٣/ ٣٩٦، ارواء الغلیل ٢/ ٣٢٩)

ہمارے استادِ گرامی شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ خان صاحب سرہالوی حفظہ اللہ کا ایک فتویٰ اس سلسلہ میں ہفت روزہ الاعتصام میں شائع ہوا تھا۔ اس میں موصوف نے آدمی کھینچنے کے جواز کو ہی ترجیح دی تھی اور قاری نعیم الحق رحمہ اللہ نے بھی ان کی تائید کی تھی۔ تفصیل سابقہ سطور میں دیکھی جاسکتی ہے۔ بہرحال یہ مسئلہ راجح مرجوح کا مسئلہ ہے، صحیح یا غلط کا نہیں ہے۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور جلد ٤٢، شمارہ ٣٧ بابت ١٤/ ستمبر سنہ ١٩٩٠ء)

الغرض یہ مسئلہ اختلافی ہے اور اس اختلاف سے نکلنے کا ایک بہترین حل یہ ہے کہ ایسا شخص جب صف کے دائیں بائیں جگہ نہ پائے تو جہاں دو تین نمازی اپنے مابین خلاء چھوڑ کر کھڑے ہوں، انہیں ملا کر جگہ بنائے اور وہاں کھڑا ہو جائے اور آجکل ایسا کرنا بہت آسان ہے، کیونکہ صف بندی کے سلسلہ میں کافی لاپرواہی سے کام لیا جاتا ہے۔ یا پھر صف کے درمیان سے آدمی کھینچ کر امام کے پیچھے صف بنالیں۔ اکیلے نماز پڑھنے کی نسبت کھینچنے کو ہی اکثر علماء نے ترجیح دی ہے۔

وَاللّٰهُ الْهَادِيْ إِلٰى سَوَاءِ السَّبِيْلِ

صف کی دائیں جانب کی فضیلت:

جس طرح مذکورہ سابقہ اس ارشادِ نبوی ﷺ سے صف اول کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، ایسے ہی بعض احادیث سے صف میں امام کی دائیں جانب والے حصہ کی فضیلت کا بھی پتہ چلتا ہے جیسا کہ ابوداؤد وابن ماجہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((إِنَّ اللّٰـهَ وَمَلَآئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ))

(فتح الباری ۲/ ۲۱۳، نیل الاوطار ۲/۳/ ۱۸۹)

''اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر سلامتی بھیجتے ہیں جو صفوں کی (امام سے) دائیں جانب نماز پڑھتے ہیں۔''

ابوداؤداور نسائی شریف میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَحْبَبْنَا أَنْ نَكُوْنَ عَنْ يَمِيْنِهِ)) (فتح الباری ۲/ ۲۱۳، ابو داؤد مع العون ۲/ ۳۲۲)

''جب ہم نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو ہم اس بات کو پسند کرتے کہ آپ ﷺ کی دائیں جانب ہوں۔''

امام وامامت اور مقتدی

امام ومقتدی کے مابین کسی چیز کا حائل ہونا:

سال کے بعض دنوں اور خاص موقعوں پر مثلاً رمضان المبارک میں نمازِ جمعہ اور خصوصاً ''جمعۃ الوداع'' میں نمازیوں کی بہت کثرت ہوتی ہے، اور مساجد کے ہال اور صحن بھر جانے کے بعد سڑکوں اور بازاروں میں بھی صفیں بچھ جاتی ہیں۔ اب امام اور بعض مقتدیوں کے مابین کہیں دیوار حائل ہوتی ہے، اور کہیں ٹریفک کی کثرت کی وجہ سے سڑک۔ اور آواز تو انتہائی دور دور تک پہنچانے کے ذرائع موجود ہیں، مگر کیا مذکورہ حائل ہونے والی چیزیں مقتدی کی نماز پر اثر انداز تو نہیں ہوتیں؟

اس سلسلہ میں متعدد صحیح احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے مقتدیوں کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں چٹائی سے ایک حجرہ بنایا اور کئی راتیں اس میں نماز ادا فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ساتھ ہی نماز پڑھی۔ (بخاری ٢/ ٢١٤ ، نیل الاوطار ٢/ ٣/ ١٤٦)

اسی طرح صحیح بخاری شریف میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ حُجْرَتِهٖ وَجِدَارُ الْحُجْرَةِ قَصِيْرٌ فَرَأَى النَّاسُ شَخْصَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَامَ نَاسٌ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِهٖ))

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ میں نماز پڑھا کرتے تھے اور اُس حجرہ کی دیوار ذرا

چھوٹی تھی۔لوگوں نے نبی ﷺ کی شخصیتِ مبارکہ کو دیکھ لیا اور لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہی نماز پڑھنے لگے۔''

اِسی حدیث میں آگے یہ بھی مذکور ہے کہ جب صبح ہوئی،تو لوگوں نے آپس میں بات چیت کی، بات عام ہوگئی اور جب اگلی رات نبی ﷺ نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو (اور بھی کتنے) لوگ آپ ﷺ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔

(بخاری مع الفتح ٢/ ٢١٣ ، نيل الاوطار ٢/٣/ ١٤٦)

ایسا ہی واقعہ مسند امام احمد میں بھی مذکور ہے۔

(نيل الاوطار ٢/٣/ ١٩٥)

اہل علم نے ان احادیث سے دو مسئلے اخذ کئے ہیں:

① پہلا یہ کہ کبھی نمازی اکیلا ہی نماز پڑھ رہا ہوتا ہے اور دوسرے نمازی اس کی اقتداء میں نماز ادا کرنے لگیں،تو وہ امام بن جاتا ہے۔المجد ابن تیمیہ نے المنتقٰی میں جو باب قائم کیا ہے وہ یہی ہے:(بَابُ اِنْتِقَالِ الْمُنْفَرِدِ اِمَاماً فِي النَّوَافِلِ) جبکہ المنتقیٰ کی شرح نیل الاوطار میں امام شوکانی نے اس بات کی وضاحت بھی کردی ہے کہ اس میں نفلی یا غیر نفلی نماز کا کوئی فرق نہیں۔

(المنتقى مع نيل الاوطار ٢/٣/ ١٤٦ ـ ١٤٧)

اسی طرح منفرد کے ساتھ دوسرے نمازی شامل ہو جائیں تو جماعت ہو جائے گی۔ صحیحین وسُنَنِ اربعہ اور مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ،اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات گزارنے والی حدیث سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ (اس کی تخریج ''صف بندی'' میں گزر چکی ہے)

② اِن احادیث سے دوسرا مسئلہ یہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر امام اور مقتدیوں کے مابین

کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو تو ان کی نماز ہوجائے گی۔چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں جو باب قائم کیا ہے وہ ہے(بَابٌ : اِذَا کَانَ بَیْنَ الْإِمَامِ وَبَیْنَ الْقَوْمِ حَائِطٌ أَوْ سُتْرَةٌ)

''جب امام اور مقتدیوں کے مابین دیوار یا پردہ حائل ہو۔''

مسند احمد والی حدیث پر صاحب منتقی الأخبار نے(بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَائِلِ بَیْنَ الْإِمَامِ وَالْمَأْمُوْمِ) قائم کیا ہے۔

''امام ومقتدی کے مابین کچھ حائل ہونے کا بیان۔''

امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں دو معلق آثار بھی ذکر کیے ہیں۔ایک میں ابو مجلز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر امام کی آواز سنی جارہی ہو،تو اس کی اقتداء میں نماز ہوجاتی ہے،اگرچہ امام ومقتدی کے مابین کوئی سڑک (راستہ) یا دیوار ہی کیوں نہ ہو۔''

اس اثر کو ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے اپنی اپنی مصنف میں صحیح سند سے موصولاً بیان کیا ہے۔بخاری شریف کے اُسی باب میں دوسرا اثر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا بیان کیا گیا ہے،جس میں وہ فرماتے ہیں:

(لَا بَأْسَ أَنْ تُصَلِّيَ وَبَیْنَکَ وَبَیْنَهُ نَهْرٌ).

''اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم نماز پڑھ لو،اگرچہ تمہارے اور امام کے مابین نہر ہی کیوں نہ ہو۔''

ایک روایت میں ہے:

''جس کے اور امام کے مابین راستہ حائل ہو وہ امام کے ساتھ نہیں۔''

امام نووی رحمہ اللہ نے اس روایت کو لا اصل و باطل قرار دیا ہے۔

(المجموع شرح المهذب ٤/ ١٩٦ - ٢٠٣ ، الفتح الربانی ٥/ ٢٨٣ - ٢٨٥)

آواز پہنچانا:

امام کی آواز کم ہو تو اس کی تکبیروں کی آواز کسی دوسرے بلند آہنگ آدمی کیلئے مقتدیوں تک پہنچانا جائز ہے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ بیمار تھے، اور نقاہت کی وجہ سے آپ ﷺ کی آواز بہت پست تھی۔ اسلئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی تکبیروں کے ساتھ تکبیر کہتے جاتے اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تکبیروں کے ساتھ تکبیر کہہ رہے تھے۔ لیکن اس مسئلہ کو سامنے رکھ کر ریڈیو، ٹی وی کی آواز پر اقتداء کو جائز نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ اہلِ علم کا فتویٰ ہے۔

(فقه السنه ١/ ٢٤١، ٢٤٦ حاشيه ، مشكوٰة بتحقيق البانی ١/ ٣٥٨)

بلندی و پستی کا حکم:

اگر امام نیچے اور مقتدی اوپر چھت پر ہوں تو بھی اقتداء صحیح ہے نماز ہو جاتی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور سنن سعید بن منصور و بیہقی میں موصولاً حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے جماعت میں شامل ہو کر مسجد کی چھت پر نماز پڑھی۔ اور ایسا ہی دوسرا واقعہ سنن سعید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہے، جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں انھیں کچھ نہیں کہا (گویا موافقت کی)۔

(نيل الاوطار ٢/ ٣/ ١٩٣ ، فقه السنه ١/ ٢٤٠)

فتح الباری میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول بھی سنن سعید کے حوالے سے ہی منقول ہے کہ انھوں نے چھت پر نماز ادا کرنے والے مقتدی کے بارے میں فرمایا:

((لَا بَأْسَ بِذٰلِکَ)) (الفتح الربانی ۲/ ۲۱٤)

''اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔''

اِن احادیث وآثار سے مساجد کی گیلریوں میں امام کی اقتداء کا صحیح ہونا بھی ثابت ہوا جو ہمارے ممالک میں عموماً عورتوں کیلئے ہوتی ہیں۔ تاہم بلاوجہ امام کا بلند مقام پر کھڑے ہوکر جماعت کرانا مکروہ ہے؟ جیسا کہ ابوداؤد وبیہقی اور ابن حبان وابن خزیمہ میں حدیثِ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اور دارقطنی میں ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔ البتہ تعلیمِ نماز کی غرض سے صحیح بخاری ومسلم میں ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ منبر پر نماز پڑھائی۔

(نیل الاوطار ۲/۳/ ۱۹۳، فقه السنه ۱/ ۲٤۰)

امام کی متابعت اور عدم مسابقت:

باجماعت نماز ادا کرتے وقت ایک یہ بات بطورِ خاص پیشِ نظر رہے کہ مقتدی کو ارکانِ نماز کے سلسلہ میں امام سے پیش قدمی ہرگز نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ گناہ ہے اور امام کی متابعت ضروری ہے کہ مقتدی اسکے پیچھے پیچھے رہے، آگے نہ نکلے۔ کیونکہ صحیح بخاری ومسلم اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَلَا تُكَبِّرُوا حَتَّىٰ يُكَبِّرَ وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَلَا تَرْكَعُوا حَتَّى يَرْكَعَ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا وَلَا تَسْجُدُوا حَتَّى يَسْجُدَ))

(متفق علیه و احمد، الفتح الربانی ۵/ ۲۷۳)

''امام اِسی لیئے بنایا گیا ہے کہ اُس کی اتباع کی جائے، جب وہ اللہ اکبر کہے تو پھر تم بھی اللہ اکبر کہو، اور اس کے اللہ اکبر کہہ چکنے سے پہلے تم اللہ اکبر نہ

کہو، اور جب وہ رکوع چلا جائے تو پھر تم رکوع جاؤ اور جب تک وہ رکوع نہ کرے، تم رکوع نہ کرو اور جب وہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ (رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ، اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ) کہو اور جب وہ سجدہ کرے، تو تم سجدہ کرو، اور جب تک وہ سجدہ میں نہ چلا جائے، تم سجدہ نہ کرو۔"

صحیح مسلم و مسند احمد میں ہے کہ ایک دن آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((إِنِّي إِمَامُكُمْ، فَلَا تَسْبِقُوْنِي بِالرُّكُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالْقُعُوْدِ وَلَا بِالْإِنْصِرَافِ)).

(مسلم مع النووی ۲/ ٤/ ١٥٠، الفتح الربانی ٢٧٥، مشکوٰۃ ١/ ٣٥٦)

"میں تمہارا امام ہوں، مجھ سے پہلے رکوع میں جاؤ، نہ سجدہ پہلے کرو، نہ پہلے کھڑے ہو، نہ پہلے بیٹھو اور نہ ہی سلام پہلے پھیرو۔"

ابوداؤد، ابن ماجہ، طبرانی اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَا تُبَادِرُوْنِي بِرُكُوْعٍ وَلَا بِسُجُوْدٍ))

(ابو داؤد مع العون ٢/ ٣٢٧، الفتح الربانی ٥٥/ ٣٧٨ و صححه العراقی)

"مجھ سے پہلے رکوع و سجود نہ کرو۔"

جبکہ بعض احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل کی وضاحت بھی موجود ہے۔ مثلاً بخاری و مسلم اور ابوداؤد و ترمذی میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کی معیّت میں رکوع سے سر اٹھاتے، تو پھر بالکل سیدھے کھڑے رہتے اور جب دیکھتے کہ نبی ﷺ سجدہ ریز ہو چکے ہیں، تب وہ سجدہ

کرتے تھے۔ (مسلم ۲/ ٤/ ۱۹۱ ، ابو داؤد : ۲/ ۳۲۸)

جبکہ بخاری و مسلم اور ابوداؤد کی دوسری روایت میں حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں:

''ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے ،اور ہم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک رکوع کیلئے اپنی کمر نہ جھکاتا، جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں نہ پہنچ چکے ہوتے۔'' (مسلم مع النووی ۲/ ٤/ ۱۹۰)

صحیحین اور ابو داود کی ہی تیسری روایت میں بھی یہی تفصیل مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے ،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رکوع کرنے کے بعد رکوع کرتے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہنے بعد اُس وقت تک سیدھے کھڑے رہتے جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانیٔ مبارک زمین پر نہ رکھ لیتے، پھر وہ سجدہ کرتے تھے۔

(مسلم : ۲/ ٤/ ۱۹۰ ، ابو داؤد : ۲/ ۳۲۹ ، الفتح الربانی ۵/ ۲۷۸)

امام سے پیشقدمی کرنے اوراس سے پہلے رکوع وسجود سے سر اٹھانے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید فرمائی ہے۔ چنانچہ صحیحین وسنن اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((أَمَا يَخْشٰى (أَوْ آلا يَخْشٰى) أَحَدُكُمْ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ وَالْإِمَامُ سَاجِدٌ أَنْ يُّحَوِّلَ اللّٰهُ رَأْسَهٗ رَأْسَ حِمَارٍ أَوْ صُوْرَتَهٗ صُوْرَةَ حِمَارٍ))

(مسلم : ۲/ ٤/ ۱۵۱ ، الفتح الربانی ۵/ ۲۷٦ ، وابو داؤد و : ۲/ ۳۳۰)

''کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے نہیں ڈرتا کہ وہ سجدہ سے اپنا سر اٹھا لیتا ہے جبکہ امام ابھی سجدہ میں ہو کہ ایسے شخص کا سر یا اس کی شکل وصورت کو

اللہ تعالیٰ گدھے کی شکل سے بدل دے۔'' أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ

مذکورہ تعلیمات اور اس وعید کے پیشِ نظر مقتدیوں کو چاہیئے کہ وہ پیش اِمام سے قیام وقعود اور رکوع وسجود میں سبقت نہ کریں بلکہ امام کے پیچھے رہیں۔ اِسی طرح سلام پھیرتے وقت بھی متابعت ہو نہ کہ مسابقت۔

بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں ''بَابٌ يُسَلِّمُ حِينَ يُسَلِّمُ الْإِمَامُ'' میں حافظ ابن حجر نے ابن المنیر سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ (مقتدیوں کے سلام پھیرنے کے) وقت کی تعیین میں دو احتمال ہیں:

1. پہلا یہ کہ مقتدی سلام پھیرنے کی ابتداء امام کے ابتداء کرنے کے بعد کرے۔لیکن مقتدی امام کے سلام پھیرنے کو مکمل کر لینے سے پہلے ہی شروع کرلے۔
2. دوسرا یہ کہ مقتدی اس وقت سلام پھیرنے کی ابتداء کرے، جب امام مکمل طور پر سلام پھیر چکا ہو۔ (فتح الباری ۲/ ۳۲۳ دار الافتاء)

عرب ممالک میں یہ دوسرا طریقہ ہی مروج ہے، جبکہ ہمارے یہاں معمولی فرق سے پہلا۔ اور دوسرے طریقے میں تو امام سے سبقت لیجانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں، جبکہ پہلے میں بھی اگر امام کے پیچھے پیچھے رہے تو کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ مقتدی امام سے پہلے سلام پھیرنے کا عمل مکمل نہ کرلے۔ رکوع وسجود یا قیام وقعود میں جلد بازی کرکے امام سے پیش قدمی کا گناہ کمانے والا ہر شخص اگر صرف اس لطیف نقطہ کو اپنے پیشِ نظر رکھے کہ جب تک امام نے سلام نہ پھیرا، مَیں بہر صورت کہیں بھاگ نہیں سکتا تو اس جلدؔ بازی کی نوبت ہی نہیں آتی۔

(از افادات حافظ ابن حجر، الفتح الربانی ۵/ ۲۷۹، و المجموع للنووی ۴/ ۱۳۱ و ۱۳۶)

دوسری جماعت کا حکم:

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نمازی جماعت کے وقت کا اندازہ کرنے میں غلطی کرجاتا ہے، یا کسی دوسرے عذر کی وجہ سے اُس وقت مسجد میں پہنچتا ہے، جبکہ جماعت ہوچکی ہوتی ہے، اور ابھی اُسی کی طرح چند اور لوگ بھی ایسے ہوتے ہیں جو کہ جماعت سے رہ گئے ہوتے ہیں تو ایسے میں جماعت کا ثواب حاصل کرنے کیلئے ان کیلئے جائز ہے کہ وہ مل کر جماعت کروالیں کیونکہ ابوداود، ترمذی، بیہقی، ابن حبان، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص مسجد میں اسوقت داخل ہوا جب نبی ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھ چکے تھے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''تم میں سے کون یہ قربانی دیتا ہے کہ اس شخص کے ساتھ نماز پڑھے؟''، تو ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو کہ نماز پڑھ چکے تھے ایک آدمی اٹھا اور اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

(الفتح الربانی ٥/ ٣٤٣، ابو داؤد :٢/ ٢٨٢، ترمذی :٢/ ٦-٧ ،نیل الاوطار ٢/٣/ ١٥١)

دار قطنی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص اس وقت داخل ہوا جبکہ نبی ﷺ نماز پڑھا چکے تھے۔ اُس نے اکیلے نماز پڑھنا شروع کی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''کون ہے جو اس شخص کے ساتھ مل کر نماز پڑھے اور ثواب کا سودا کرے؟'' اس حدیث کو امام زیلعی نے نصب الرایة فی تخریج هدایة میں اور حافظ ابن حجر نے الدرایة میں حسن قرار دیا ہے۔ (تحفه الاحوذی ٢/ ٨، الفتح الربانی ٥/ ٣٤٤)

اس مسئلہ کی تائید متعدد آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ہوتی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں تعلیقاً اور مسند ابی یعلیٰ میں موصولاً مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ مسجد

میں آئے، جبکہ نماز کی جماعت ہو چکی تھی، تو انھوں نے اذان اور اقامت کہی اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ (حواله جات سابقه وبخاری مع الفتح ۲/ ۱۳۱)

ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت ابن مسعود ﷛ مسجد میں داخل ہوئے تو جماعت ہو چکی تھی۔ انھوں نے علقمہ، مسروق اور اسود کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کی۔

(وقال البنّا: اسناده صحيح ،الفتح الربانی ۵/ ۳۴۴)

ان احادیث وآثار سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی مسجد میں جماعت ہو چکی ہو تو وہاں بوقتِ ضرورت اذان واقامت کے ساتھ یا صرف اقامت کے ساتھ یا بغیر اقامت کہے دوسری جماعت کرانا جائز ہے۔

الفقہ علیٰ المذاہب الاربعہ کے مطابق احناف کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے کہ راستوں پر بنائی گئی مساجد جنکا نہ کوئی امام ہو نہ نمازی متعین ہوں، ان میں تو دوبارہ جماعت کرانا بلا کراہت جائز ہے۔ اِسی طرح محلّہ کی مسجد میں بغیر دوسری اذان واقامت کہے دوسری جماعت کرانا بھی بلا کراہت جائز ہے اور محلّہ کی وہ مساجد جن کیلئے امام اور نمازی متعین ہوتے ہیں، ان میں بھی اس شرط کے ساتھ دوسری جماعت جائز ہے کہ پہلی جماعت کی شکل میں نہ پڑھی جائے۔ یعنی پہلی جماعت اگر محراب میں ہوئی ہے تو دوسری جماعت کیلئے محراب کی بجائے دوسری جگہ کھڑے ہوا جائے۔ (الفقه على المذاهب الاربعه ۱/ ۴۳۶)

یہی تفصیلات بحر الرائق شرح كنز الدقائق، شرح منية المصلّی، طوالع الانوار شرح درّمختار اور ردالمحتار حاشیہ درّمختار وغیرہ میں بھی مذکور ہیں۔ (نصوص کیلئے دیکھیے، فتاوی علمائے حدیث ۳/ ۵۴)

دوبارہ نماز پڑھنا :

اس سے ملتا جلتا ہی دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کبھی کسی نے نماز پڑھ لی ہو اور وہ مسجد میں آئے اور جماعت ہو رہی ہو ، یا کھڑی ہو جائے ، تو اُسے جماعت سے مل جانا چاہیے۔ اِس کی وہ نماز نفل ہو جائے گی۔

(ابو داؤد :۲/ ۲۸۳ ـ ۳۸۷، الفتح الربانی ۵/ ۳۳۷، ترمذی :۲/ ۳ـ۶،

نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۵۳ ـ ۱۵٤ ، المرعاۃ : ۳/ ۱۳٤)

بہر حال یہ تو ان کیلئے ہے جو مسجد میں پہنچیں اور پہلی جماعت ختم ہو چکی ہو۔

جماعت میں کب شامل ہوں؟

اب رہا وہ شخص جو مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ جماعت ہو رہی ہے۔ تو وہ کیسے اور کب شامل ہو؟ بعض لوگ عموماً جب دیکھتے ہیں کہ امام رکوع سے اٹھ کر قومہ میں آ گیا ہے ، تو پھر بعد میں دو سجدے اور بعض دفعہ درمیان والے تشہّد کے مکمل ہونے تک جماعت میں شامل ہی نہیں ہوتے ، بلکہ جب تیسری رکعت [illegible]ع ہو تب وہ جماعت میں ملتے ہیں۔ حالانکہ قومہ ، سجدوں اور تشہّد میں ملنے سے اگرچہ وہ رکعت تو نہیں ہوتی مگر اُس عرصہ میں جماعت کے ساتھ شمولیت کا ثواب رائیگاں نہیں جاتا۔ لٰہذا صف تک پہنچتے ہی تکبیر تحریمہ۔ اللہ اکبر۔ کہہ کر جماعت میں شامل ہو جانا چاہیئے ، کیونکہ ابو داؤد ، ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں ہے :

((إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهَا شَيْئاً)) .

(نیل الاوطار و صححہ ۲/ ۳/ ۱۵۱ ، وضعفہ الالبانی فی المشکوٰۃ ۱/ ۳۵۹ و صححہ الحاکم ووافقہ الذھبی)

’’جب تم آؤ اور ہم سجدے میں ہوں، تو تم بھی سجدے میں ہی شریک ہو جاؤ لیکن اسے رکعت شمار نہ کرو۔‘‘

کئی دیگر احادیث سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

(دیکھئے : نیل الاوطار و تحقیق المشکوٰۃ)

ابن ابی شیبہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ وَجَدَنِي رَاكِعاً أَوْ قَائِماً أَوْ سَاجِداً فَلْيَكُنْ مَعِي عَلٰى حَالَتِي الَّتِي أَنَا عَلَيْهَا)) (فتح الباری :۳/ ۱۱۸)

’’جو مجھے رکوع وقیام یا سجدہ کی حالت میں پائے، وہ اُسی حالت میں میرے ساتھ آملے۔‘‘

بعد میں شاملِ جماعت ہونے والے کی پہلی اور پچھلی رکعتیں:

اگر کوئی شخص اُس وقت مسجد میں پہنچے، جب بعض رکعتوں کی جماعت گزر چکی ہو، تو وہ صف میں قبلہ رخ کھڑا ہو کر دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھا کر، تکبیرِ تحریمہ کہتے ہوئے جس حالت میں امام ہو (رکوع، سجود، تشہّد وغیرہ) اس میں چلا ئے کیونکہ ترمذی شریف میں ہے:

((فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ)) (ترمذی)

’’جیسے امام کر رہا ہے، اسی طرح وہ بھی کرے۔‘‘

اس حدیث کی سند میں اگرچہ انقطاع وضعف ہے، لیکن اس کی شاہد روایت بسندِ متصل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ابو داؤد، بیہقی (۳/۹۳) اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں بھی ہے۔ اور ابوداؤد کی حدیث کی رو سے تکبیرِ تحریمہ نماز کا رکن ہے۔

(معالم السنن امام خطابی ۲/ ۳۱۸، نیل الاوطار ۳/ ۱۶۲، المرعاۃ ۲/ ۱۲۸، صححہ الالبانی، ارواء الغلیل ۲/ ۹)

غرض جتنی رکعتیں اُسے امام کے ساتھ مل جائیں وہ انھیں باجماعت پڑھ لے اور بقیہ رکعتیں جو کہ اسکے ملنے تک پڑھی جا چکی تھیں، انھیں وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کر پوری کر لے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''جب تم اقامت سن لو تب بھی نماز کی طرف اطمینان وسکون کے ساتھ آؤ اور بھاگم بھاگ نہ آؤ''۔

آگے فرمایا:

((فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا)).

(بخاری :۲/ ۱۱۷، نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۳٤، الفتح الربانی ۵/ ۲۰۹)

''جتنی نماز تمھیں مل جائے اسے پڑھ لو، اور جو رہ گئی ہو اُسے بعد میں پوری کرلو۔''

جبکہ نسائی اور مسند احمد کی بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں:

((وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوْا)) (نیل الاوطار ایضاً)

''جو گزر گئی ہو اسے قضاء کرلو۔''

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے:

((وَاقْضِ مَا سَبَقَكَ)) (حوالہ سابقہ و الفتح الربانی ۵/ ۲۱۲)

''جتنی نماز پہلے گزر چکی ہو، اس کو پورا کرلو۔''

اِن احادیث میں یہ ارشاداتِ نبوی ﷺ ہیں جبکہ صحیح بخاری و مسلم شریف کی ایک حدیث میں خود عملِ نبوی ﷺ بھی یہی ہے۔ چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر میں نبی ﷺ کے ساتھ پیچھے رہ گیا

آپ ﷺ قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے اور وہیں آپ ﷺ نے وضوء فرمایا۔ جب آپ ﷺ لوگوں کی طرف تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جماعت کرا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ آخری رکعت پڑھی:

(فَلَمَّا سَلَّمَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُتِمُّ صَلَاتَهُ)

(نیل الاوطار ۱۵۲/۳/۲)

''جب حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو نبی ﷺ کھڑے ہوگئے، تاکہ اپنی نماز پوری کریں۔''

اسی حدیث میں مذکور ہے کہ جب آپ ﷺ نے نماز پوری کرلی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے بروقت نماز ادا کرلینے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

((قَدْ أَحْسَنْتُمْ وَأَصَبْتُمْ)) (حوالہ سابقہ)

''تم نے اچھا کیا، تمہارا یہ عمل مبنی بر صواب ہے۔''

تین مسالک:

اس موضوع کی اور بھی کئی احادیث ہیں لیکن اُن سب سے کھلے طور پر یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ جو شخص بعد میں آکر جماعت سے ملتا ہے، اُس کی پہلی رکعتیں آیا وہ ہوں گی جو اس نے امام کے ساتھ پڑھی ہیں؟ یا وہ جنھیں امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ اکیلا کھڑا ہوکر خود پڑھے گا؟! اس سلسلہ میں اہلِ علم کے تین مسلک معروف ہیں:

① جمہور اہلِ علم کا مسلک:

پہلا یہ کہ اُس کی شروع کی نماز وہی ہوگی جسے وہ امام کے ساتھ پڑھے گا، اور بعد کی وہ جسے وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر خود پڑھے گا۔ لیکن وہ آخری رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ قرآن کی کوئی سورت یا اسکا کوئی حصہ بھی پڑھے گا۔ کیونکہ بیہقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((مَا أَدْرَكْتَ مَعَ الْإِمَامِ فَهُوَ أَوَّلُ صَلَاتِكَ وَاقْضِ مَا سَبَقَكَ بِهِ مِنَ الْقُرْآنِ))

(فتح الباری ۲/ ۱۱۹ ، معالم السنن خطابی ۱/ ۲۹۸)

''جو نماز تمہیں امام کے ساتھ ملی، وہ تمہاری شروع کی نماز ہے، لیکن قرآن کا جو حصہ تم سے رہ گیا ہے، اُسے پورا کرلو۔''

یہ جمہور علماءِ امت کا مسلک ہے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اس مسلک کی روایت حضرت عمر، علی، ابو الدرداء رضی اللہ عنہم اور حضرت عمر بن عبدالعزیز، سعید بن مسیب، حسن بصری اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ سے ملتی ہے اور ابن المنذر نے مکحول عطاء، زہری، اسحاق بن راہویہ اور مزنی کا یہی مسلک ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

''میرا بھی یہی مسلک ہے۔''

امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن سیرین و ابو قلابہ رحمہما اللہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ اور امام احمد بن حنبل، مالک، شافعی اور تمام محدّثین رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ذکر کیا ہے، جبکہ قاضی عیاض اور امام نووی نے اسے ہی جمہور علماءِ سلف و خلف کا مذہب قرار دیا ہے۔ (الفتح الربانی ۵/ ۲۱٤)

جمہور کا استدلال اُن احادیث سے ہے، جن میں ,,فَاَتِمُّوْا،، آیا ہے کہ

جو رکعتیں رہ جائیں انھیں مکمل کرلو اور مکمل تو اُسے ہی کیا جاتا ہے جو نامکمل ہو۔ گویا امام کے ساتھ ادا کی ہوئی رکعتیں پہلی ہیں، مگر ابھی نماز نامکمل ہے، جسے بعد میں پورا کرنا ہے۔ تکبیرِ تحریمہ یا تکبیرِ افتتاح صرف پہلی ہی رکعت میں ہوتی ہے، اور آخر میں بہر حال پھر تشہّد کیلئے بیٹھنا وغیرہ ایسے امور ہیں، جنھیں جمہور کے دلائل قرار دیا گیا ہے۔

(فتح الباری ۲/ ۱۱۹، نیل الاوطار ۲/۳/ ۱۳٤، الفتح الربانی ٥/ ۲۱٤، معالم السنن ۱/ ۲۹۸)

اِن کا کہنا ہے کہ جن روایات میں ''فَأَتِمُّوْا'' آیا ہے، وہ اکثر اور زیادہ صحیح ہیں۔ (فتح الباری ۲/ ۱۱۸، المجموع للنووی ٤/ ۱۱۹)

جن میں ,,فَاقْضُوْا،، آیا ہے معنیٰ اُنکا بھی وہی ہے جو ,,فَأَتِمُّوْا،، والی احادیث کا ہے، کیونکہ عربی میں قضاء بمعنیٰ ادا بھی ہوتا ہے جیسا کہ خود قرآنِ کریم سورۃ بقرہ آیت: ۲۰۰ میں ہے:

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ﴾ (بقرة: ۲۰۰)

''جب تم اپنے مناسک پورے کر چکو۔''

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ﴾ (نسآء: ۱۰۳)

''جب تم اپنی نماز مکمل کرلو۔''

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ﴾ (جمعه ۱۰)

''جب نماز مکمل ہو جائے۔''

ایسے ہی بعض دیگر مقامات شاہد ہیں۔

(للتفصیل: المعجم المفهرس لالفاظ القرآن الکریم ص: ٥٤٦ـ٥٤٧، معالم التنزیل خطابی ۱/ ۲۹۸)

اس طرح جمہور کے مسلک کے مطابق اگر کوئی شخص ظہر، عصر یا عشاء کی تیسری رکعت میں آ کر شامل ہوتا ہے، تو اُسے اُن دو رکعتوں میں، جنھیں وہ اکیلا پڑھے گا اُن میں صرف سورۂ فاتحہ ہی پڑھنا ہوگا۔ لیکن بیہقی والی حدیثِ علی رضی اللہ عنہ کی بناء پر اُسے چاہئے کہ اُن دو رکعتوں میں کوئی دوسری سورت یا قرآن کا کوئی حصہ بھی پڑھ لے۔ اسی طرح اگر وہ مغرب کی تیسری رکعت میں آ کر شامل ہوتا ہے، تو اُسے چاہیئے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ کوئی دوسری سورت یا قرآن کا کوئی حصہ بھی پڑھے۔ اِسی طرح اگر وہ ظہر وعصر یا عشاء کی دوسری رکعت میں آ کر شامل ہوتا ہے، تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ جو باقی ایک رکعت پڑھے، اس میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ قرآن کی کوئی سورت یا کوئی حصہ بھی پڑھے۔ اور جو شخص چوتھی رکعت میں ملے اور سلام کے بعد جو تین رکعتیں پڑھے، ان میں سے پہلی دو میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت یا قرآن کا کوئی حصہ پڑھے، اور آخری میں صرف سورۂ فاتحہ جبکہ نمازِ فجر کی صرف دو ہی رکعتیں ہوتی ہیں اور ہر دو میں ہر شکل میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت یا قرآن کا کوئی حصہ پڑھنا ہوگا۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد دوم میں اور علامہ احمد البنا رحمہ اللہ نے بلوغ الأمانی شرح الفتح الربانی کے جزءِ پنجم میں (اہلِ ظاہر کے علاوہ ایک قول میں امام مالک) امام اسحاق بن راہویہ اور امام مزنی کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مغرب کی ایک اور ظہر وعصر اور عشاء کی جو دو رکعتیں پڑھی جائیں گی، ان میں وہ صرف سورۂ فاتحہ ہی پڑھے گا۔ کوئی دوسری سورت نہیں ملائے گا۔

(فتح الباری ۱۱۹/۲، نیل الاوطار ۱۵۳/۳/۲، الفتح الربانی ۲۱۵/۵)

ان بزرگوں نے گویا حدیثِ علی رضی اللہ عنہ کو معتبر نہیں مانا، اور صرف ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

,,فَأَتِمُّوا،، کے ظاہری معنیٰ پر عمل کو ہی اختیار کیا ہے۔اور حافظ ابن حجر نے اِسے محض قیاس قرار دیا ہے۔

② احناف کا مسلک:

اس مسئلہ میں دوسرا مسلک یہ ہے کہ جو شخص بعد میں آکر جماعت میں شامل ہو ،اُس کی شروع کی نماز وہ ہوگی جسے وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھے گا ،اور جسے وہ امام کے ساتھ پڑھے گا وہ اس کی آخری رکعتیں ہونگی۔ابن ابی شیبہ نے اس دوسرے مسلک کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابراہیم نخعی ،مجاہد اور شعبی رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے اور آئمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔اس مسلک کی بنیاد وہ ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ،جن میں ,,فَأَتِمُّوا،، کی بجائے ,,فَاقْضُوا،، آیا ہے، کہ جو رکعتیں رہ جائیں ان کی بعد میں قضاء کرلو۔اُن کے نزدیک اُن روایات میں ,,فَاقْضُوا،، سے مراد قضاء کرنا ہی ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں آنے والے کو جو رکعتیں جماعت سے نہیں ملتیں ،وہ اس سے فوت ہو جاتی ہیں اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ ان ہی کی قضاء کرتا ہے۔

(الفتح الربانی ٥/ ٢١٤)

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ پہلے مسلک والوں کے نزدیک ,,فَاقْضُوا،، کا معنیٰ وہی ہے جو دوسری روایات میں ,,فَأَتِمُّوا،، کا ہے جیسا کہ قرآنِ کریم کے بکثرت مقامات شاہد ہیں۔اس دوسرے مسلک کے مطابق بھی بعد میں کھڑے ہو کر پڑھی جانے والی رکعتوں میں سابقہ تفصیل کے مطابق ہی سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت یا قرآن کا کوئی حصہ پڑھنا ہوگا۔تو گویا یہ اختلاف محض نظری ہے، عملی نہیں۔ عملاً دونوں کے مابین اتفاق ہے۔

③ امام مالک وشافعی اور متاخرین احناف کا مسلک:

اس بارے میں تیسرا مسلک ایک روایت میں امام مالک وشافعی رحمہما اللہ اور متاخرین احناف وحنابلہ کا یہ ہے کہ جو شخص بعد میں آکر جماعت کے ساتھ شامل ہوتا ہے، اس کی شروع کی نماز اقوال (یا قیام) کے لحاظ سے وہ ہے، جسے وہ جماعت ختم ہونے کے بعد خود پڑھتا ہے۔ جبکہ افعال (یا بیٹھنے) کے لحاظ سے اس کی شروع کی نماز وہ ہے، جسے وہ امام کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

(الفتح الربانی ٥/ ٢١٥، الفقه علی المذاهب الاربعه ١/ ٤٣٨۔ ٤٤٣)

اس تیسرے مسلک کے مطابق بھی سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت یا قرآن کا کوئی حصہ پڑھنے کی تفصیل بعینہٖ وہی ہے، جو پہلے دونوں میں گزری ہے۔ البتہ اس میں تشہد کی تفصیل بھی مذکور ہے کہ جو شخص کسی نماز کی تیسری رکعت میں شامل ہو، وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد صرف ایک ہی رکعت پڑھ کر پھر تشہد کیلئے بیٹھے گا، کیونکہ اقوال کے لحاظ سے وہ اگرچہ اس کی پہلی رکعت ہے، مگر افعال (یا بیٹھنے) کے اعتبار سے وہ اس کی دوسری رکعت ہے۔ اِسی طرح ہی سب نمازوں کی آخری رکعت کے بعد بھی تشہد، درود شریف اور دعاؤں کے بعد ہی سلام پھیرے گا۔ کیونکہ اقوال کے لحاظ سے وہ اگرچہ اس کی تیسری مگر افعال (یا بیٹھنے) کے لحاظ سے وہ اس کی آخری رکعت ہوگی۔ اور آخری رکعت کے بعد تشہد، درود اور دعاء پڑھ کر ہی سلام پھیرا جاتا ہے۔

(للتفصیل: الفقه علی المذاهب الاربعه ١/ ٤٣٨ ۔ ٤٤٣)

تین رکعتیں اور چار تشہد:

قارئین کرام! بعد میں آکر جماعت سے ملنے والے نمازی کیلئے بعض صورتوں

میں فجر کی دو رکعتوں میں دو ہی تشہّد، ظہر وعصر اور عشاء کی چار چار رکعتوں میں تین تین تشہّد اور مغرب کی تین رکعتوں میں چار تشہّد پڑھنے کی نوبت بھی آ جاتی ہے، جو شخص امام کی دو رکعتوں کے بعد والے تشہّد میں آ کر شامل ہو اس کی نماز پر غور کر کے دیکھ لیں یہ سب صورتیں سامنے آ جائیں گی۔ (اِنْ شَآءَ اللہ)

پیش امام کیلئے مستحب امور

چند امور ایسے بھی ہیں، جن کا تعلق پیش امام سے ہے:

(۱) مختصر قراءت، ہلکی نماز:

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جب کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو اُسے اختیار ہے کہ جتنی چاہے لمبی قراءت کر لے، بلکہ نفلی نمازوں میں تو رکعتوں کی تعداد میں زیادتی کی بجائے رکعتوں کا طویل ہونا افضل ہے، لیکن جب کوئی شخص پیش امام ہو، تو اُس کے لئے مستحب یہی ہے کہ وہ اپنے مقتدیوں میں سے کمزور، بیمار، بوڑھے اور دیگر عذر والے لوگوں کا خیال رکھتے ہوئے درمیانی بلکہ ہلکی نماز پڑھائے۔

جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی شریف میں اِرشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِذَا صَلّٰی أَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَإِنَّ مِنْھُمُ الضَّعِیْفَ وَالسَّقِیْمَ وَالْکَبِیْرَ، وَإِذَا صَلّٰی أَحَدُکُمْ لِنَفْسِہٖ فَلْیُطَوِّلْ مَا شَآءَ))

(بخاری ۱۹۹/۲، ترمذی ۳۵/۲، الفتح الربانی ۲۳۵/۵، نیل الاوطار ۱۳۶/۳/۲، مشکوٰۃ ۳۵۴/۱)

"جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کی امامت کرا رہا ہو تو اسے چاہئے کہ ہلکی

نماز پڑھے، اسلئے کہ ان میں کمزور، بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور جب وہ اکیلا نماز پڑھے تو پھر جتنی لمبی چاہے پڑھے۔''

جبکہ بخاری شریف کی ایک دوسری روایت میں ایک واقعہ مذکور ہے، جس میں لمبی نماز پڑھانے والے آدمی کو نبی ﷺ نے ناراض ہو کر ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

((إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ فَإِنَّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيْرَ وَذَا الْحَاجَةِ))

(صحیح بخاری ۲/ ۱۹۷۔۱۹۸)

''تم میں سے بعض لوگ (اپنے مقتدیوں کو جماعت سے) بھگانے والے ہیں، تم میں سے جو شخص دوسروں کو نماز پڑھائے اُسے مختصر نماز پڑھانی چاہیئے کیونکہ لوگوں میں کمزور، بوڑھے اور ضرورتمند لوگ بھی ہوتے ہیں۔''

مسلم شریف کی ایک روایت میں ((وَالصَّغِيْرَ وَالْكَبِيْرَ)) کے اور طبرانی میں ((وَالْحَامِلَ وَالْمُرْضِعَ)) کے الفاظ بھی ہیں۔

(فتح الباری ۲/ ۱۹۹)

جن کا مطلب یہ ہے کہ نمازیوں میں مذکورہ لوگوں کے علاوہ بچے، بوڑھے، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی ہوتی ہیں۔

صحیحین وسنن اربعہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((إِنِّي لَأَقُوْمُ (وَفِيْ رِوَايَةٍ: لَأَدْخُلُ) فِي الصَّلَاةِ، أُرِيْدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيْهَا: فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِيْ صَلَاتِيْ، كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَىٰ أُمِّهِ))

(بخاری ۲/ ۲۰۱، ابو داؤد :۲/ ۵۰۲، الفتح الربانی ۵/ ۲۴۶، نیل الاوطار ۲/۳/ ۱۵۴)

’’میں نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ لمبی نماز پڑھوں گا، لیکن اتنے میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو میں نماز ہلکی کردیتا ہوں تاکہ بچے کی ماں کیلئے میں مشقت کا باعث نہ بنوں۔‘‘

(۲) ارکانِ نماز کی صحیح ادائیگی:

لیکن اس کا معنیٰ یہ بھی نہیں کہ امام اتنی جلدی سے کام لے کہ نماز کے ارکان کی صحیح ادائیگی بھی نہ ہو، بلکہ اصل مطلوب یہ ہے کہ لمبی سورتیں نہ شروع کردے، جیسا کہ حضرت معاذ اور ابی بن کعب رضی رضی اللہ عنہما کے واقعات میں مذکور ہے۔

(فتح الباری ۲/ ۱۹۳۔۱۹۸)

بلکہ درمیانی اور چھوٹی سورتوں پر اکتفاء کرے اور رکوع وسجود مکمل کرے، کیونکہ سجدے میں کوّے کی طرح ٹھونگے مارنے پر تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ والے واقعہ پر مبنی حدیث جس باب کے تحت ذکر کی ہے وہ ہے:

(بَابُ تَخْفِيْفِ الْإِمَامِ فِي الْقِيَامِ وَإِتْمَامِ الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ)

اور صرف دو باب چھوڑ کر آگے امام بخاریؒ نے جو باب قائم کیا ہے وہ ہے:

(بَابُ الْإِيْجَازِ فِي الصَّلَاةِ وَإِكْمَالِهَا)

اور اس باب کے تحت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نقل کیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

((كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُوْجِزُ الصَّلَاةَ وَيُكْمِلُهَا))

(بخاری مع الفتح ۲/ ۲۰۱)

’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم (ارکانِ نماز کی) تکمیل کے ساتھ ساتھ بڑی ہلکی سی نماز پڑھا

کرتے تھے۔''

البتہ بعض احادیث کی رو سے امام کیلئے یہ مستحب ہے کہ ظہر وعصر اور فجر میں بطورِ خاص اور نمازِ پنجگانہ میں ہی بالعموم پہلی رکعت کو دوسری رکعتوں کی نسبت ذرا لمبا کرے۔ کیونکہ صحیح بخاری ومسلم اور ابوداؤد میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ظہر وعصر اور فجر کی پہلی رکعت کو دوسری کی نسبت لمبا کیا کرتے تھے۔

ابوداؤد، صحیح ابن خزیمہ اور ابن حبان میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((فَظَنَنَّا أَنَّهُ يُرِيدُ بِذٰلِكَ أَنْ يُدْرِكَ النَّاسُ الرَّكْعَةَ الْأُوْلٰى)) (الفتح الربانی ٥/ ٢٦٥، نیل الاوطار ١/٢/ ٢٢٦)

''ہم خیال کرتے تھے کہ آپ ﷺ ایسا اسلیئے کرتے، تاکہ لوگ پہلی رکعت میں شامل ہوسکیں۔''

(۳) سلام پھیر کر مقتدیوں کی طرف رخ کرنا:

امام کیلئے یہ مستحب ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دائیں یا بائیں طرف سے پلٹ کر مقتدیوں کی طرف رخ کرلے اور قبلہ رو بیٹھا مصروفِ ذکر واذکار نہ ہوجائے، کیونکہ ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی شریف میں نبی ﷺ کا یہی معمول مذکور ہے۔

(فقہ السنہ ١/ ٢٣٩)

البتہ نماز فجر ومغرب کے بعد دس مرتبہ ((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيْتُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)) کہہ کر ہی پلٹنا چاہیے۔

(ترمذی ٥/ ٥١٥، مسند احمد ٤/ ٢٢٧، زاد المعاد ١/ ٣٠٠)

ابوداؤد میں ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ عموماً دائیں طرف سے

پلٹا کرتے تھے۔ (ابو داؤد مع العون ۲/ ۳۲۲)

مقتدیوں کیلئے بھی مستحب ہے کہ جب تک امام دائیں یا بائیں طرف سے پلٹ کران کی طرف رخ نہ کرلے، وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر نہ جائیں، ابو داؤد میں ایک حدیث کی رو سے نبی ﷺ نے اِس سے منع فرمایا ہے۔

(ابو داؤد مع العون ۲/ ۳۳۱)

(۴) دوسرے کوامام بنانا:

اگر دورانِ نماز امام کوکوئی عذر پیش آ جائے مثلاً وضوء ٹوٹ گیا، یا یاد آ گیا کہ میں وضوء سے نہیں ہوں، تو اُسے چاہیئے کہ مقتدیوں میں سے کسی کو اپنی جگہ امام بنا کر خود ہٹ جائے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ پر نمازِ فجر کی امامت کے دوران حملہ ہوا تو زخمی ہوتے ہی انھوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے کردیا اور سنن سعید بن منصور میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وضوء ٹوٹ گیا تو انھوں نے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر اُسے آگے کردیا اور خود ہٹ گئے۔

(دیکھئے :نیل الاوطار ۲/۳/ ۱۵۷)

اگر امام نماز کی کسی شرط یا رکن کو چھوڑ جائے اور مقتدیوں کو پتہ نہ چلے تو ان کی نماز ہوجائیگی۔ لیکن امام کو دوبارہ نماز پڑھنی پڑے گی، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

(بخاری :۲/ ۱۸۷، المشکوٰۃ :۱/ ۳۵۵، نیل الاوطار ۲/۳/ ۱۷۳)

امامت کی ترتیب

بعض دفعہ دورانِ سفر یا دوسری جماعت کی شکل میں جب چند آدمی اکٹھے ہو جائیں، تو ان میں سے ایک آدمی کو امام بنا کر با جماعت نماز ادا کرنا حصولِ فضیلت وثواب کا ذریعہ ہے۔ اور جن مساجد میں حکومت یا کسی ادارے کی طرف سے کوئی امام مقرر ہو، کبھی اتفاق سے وہ اور اسکا نائب وقت پر موجود نہ ہوں تو ایسے میں بھی نمازیوں کو چاہیئے کہ اپنے میں سے کسی ایک کو امام بنا کر نماز با جماعت ادا کریں۔ لیکن جب مختلف قسم کے لوگ موجود ہوں تو ان میں سے ظاہر ہے کہ ایک ہی شخص کو امامت کیلئے آگے بڑھانا ہوگا۔ اسکے انتخاب کا طریقہ کیا ہے؟ اور نبیؐ اکرم ﷺ نے اس سلسلہ میں کیا تعلیم فرمائی ہے؟ اور کونسی ترتیب کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے؟

اس سلسلہ میں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ دین کے تمام اعمال میں سب سے اہم اور مقدم نماز ہے اور نظامِ دین میں اس کا مقام وہی ہے جو جسمِ انسانی میں دل کا ہے یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے اسے ''دین کا ستون'' قرار دیا ہے۔ اور اس کی امامت بہت بڑا دینی منصب، ایک بھاری ذمہ داری اور نبی ﷺ کی ایک طرح کی نیابت ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو موجودہ نمازیوں میں اس عظیم منصب کیلئے دوسروں کی نسبت زیادہ اہل اور موزوں ہو، اور وہ تو وہی ہوسکتا ہے جسے نبی ﷺ سے نسبتاً زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہو۔ اور آپ ﷺ کی دینی وراثت سے جس نے زیادہ حصہ لیا ہو۔ اور آپ ﷺ کی وراثت میں چونکہ اول و اعلیٰ درجہ قرآنِ کریم کا ہے۔ اسلیئے جس شخص نے سچا ایمان نصیب ہونے کے بعد قرآنِ کریم سے خاص تعلق پیدا کیا۔ اُسے حفظ کیا، اپنے دل میں اتارا، اس کی دعوت اور احکام کو

سمجھا۔ اُسے اپنے اندر جذب اور اپنے اوپر طاری ونافذ کیا، وہی رسول اللہ ﷺ کی وراثت کے خاص حصہ داروں میں سے ہوگا اور آپ ﷺ کی نیابت اور مسلمانوں کی امامت کیلئے وہی زیادہ اہل وموزوں ہوگا۔

اگر بالفرض سارے نمازی ہی اس سعادت کے لحاظ سے مساوی ہوں، تو قرآنِ کریم کے بعد چونکہ سنت کا درجہ ہے، اسلیئے اس صورت میں ترجیح اُس کو دی جائیگی جو سنت وشریعت کے علم میں امتیاز رکھتا ہوگا۔ اور اگر بالفرض اس لحاظ سے بھی سب برابر ہوں تو پھر جو کوئی ہجرت میں متقدّم ہوگا، وہی امامت کیلئے لائقِ ترجیح ہوگا۔ اور اگر اِن صفات میں بھی یکسانی ہوتو پھر عمر کی بڑھائی کے لحاظ سے ترجیح دی جائے گی، کیونکہ عمر کی بڑھائی اور بزرگی بھی ایک مسلّم فضیلت ہے۔ اور امامت کیلئے یہ اصولی ترتیب عقلِ سلیم کے بالکل مطابق اور عین مقتضائے حکمت ہے اور یہی نبی ٔ اکرم ﷺ کی تعلیم وہدایت ہے۔ (معارف الحدیث ۳/ ۲۱٤۔ ۲۱۵ بتصرف)

① ماہرِ قرآن:

صحیح مسلم، نسائی، مسند احمد اور بیہقی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ اگر تین شخص ہوں، تو ان میں سے ایک شخص امام بنے:

((وَأَحَقُّهُمْ بِالْإِمَامَةِ أَقْرَأُهُمْ))

(مشکوٰۃ مع المرعاۃ ۳/ ۱۰۵، فقہ السنہ ۱/ ۲۳۵، نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۵۷)

”اور امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو ان میں سے (کتاب اللہ کا) سب سے زیادہ (واچھا) پڑھنے والا ہو۔“

جبکہ صحیح مسلم، سنن اربعہ، مسند احمد اور بیہقی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ فَإِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِنّاً)) .

(مختصر مسلم ۸۹ابو داؤد :۲ ۲۸۹-۲۹۰، ترمذی :۲/ ۳۲ ، الفتح الربانی ٥/ ۲۲٤، فتح الباری ۲، ۱۷۰ ،مشکوٰۃ :۳/ ۱۰۳ ،نیل الاوطار ۲/۳/ ۱٥۷)

’’جماعت کی امامت وہ شخص کرائے جو ان میں سے کتاب اللہ کو سب سے زیادہ پڑھنے والا ہو اور اگر وہ قراءتِ قرآن میں سب یکساں ہوں تو پھر سنت کا زیادہ علم رکھنے والا ،اگر اسمیں بھی برابر ہوں تو وہ جس نے پہلے ہجرت کی ہو،اگر وہ سب ہجرت میں بھی برابر ہوں ،تو عمر کے لحاظ سے مقدّم اور بڑا شخص امامت کرائے۔‘‘

اس حدیث میں واضح طور پر نبی ﷺ نے فضیلت کا پہلا معیار ,,أَقْرَأُ،، کو قرار دیا ہے۔اور اس سے مراد محض حفظِ قرآن و کثرتِ تلاوت ہی نہیں، بلکہ وہ مسائلِ نماز کا جاننے والا بھی ہو اور اگر وہ اس معاملہ میں صفر ہو تو فتح الباری میں حافظ ابنِ حجر کے بقول بالاتفاق اُسے آگے نہیں کیا جائے گا۔ (فتح الباری ۲/ ۱۷۱)

۲ ماہرِ سنّت وشریعت:

فضیلت کا دوسرا معیار علمِ سنت وشریعت اور علمِ حدیث میں مہارت ہے جیسا کہ مذکورہ احادیث میں آیا ہے ۔

۳ ہجرت میں سبقت:

ترتیبِ امامت میں ترجیح کا تیسرا معیار ہجرت میں سبقت ہے۔بعض فقہاء نے

اس صفت کو عہدِ نبوت کے ساتھ خاص کر کے اس کی جگہ تقویٰ و پرہیز گاری کو دی ہے ،جبکہ کثیر محقّقین کے نزدیک اس سے مراد دارِ کفر سے دار السلام کی طرف ہجرت کرنا ہے جو کہ قیامت تک جاری ہے، اور جمہور کا یہی قول ہے۔

(نیل الاوطار ۲/۳/ ۱۵۸)

④ عمر میں بزرگی:

ترجیح کا چوتھا معیار مذکورہ ارشادِ نبوی ﷺ میں عمر میں بزرگی کو قرار دیا گیا ہے کہ اگر مذکورہ تین معیاروں کے اعتبار سے کوئی شخص فائق وقابلِ ترجیح نہ ہو بلکہ سب میں یکسانی سی ہو تو پھر جو کوئی عمر میں بڑا اور بزرگ ہو وہ امامت کرائے۔

⑤ اسلام لانے میں سبقت:

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِلْماً [أيْ إِسْلَاماً]))

(مختصر صحیح مسلم بتحقیق الالبانی ص: ۹۰،شرح السنه بغوی ۳/ ۳۹۵)

”اگر ہجرت کرنے میں وہ سب برابر ہوں تو اسلام لانے میں پہلے والا شخص امامت کروائے۔“

الغرض اس اہم اور مقدّس منصب کیلئے اپنے میں سے صاحبِ علم وفضل اور بہترین شخص کا انتخاب کرنا چاہیئے۔ نبیٔ اکرم ﷺ جب تک اس دنیا میں رونق افروز رہے، خود امامت کراتے رہے۔ اور مرضِ وفات میں جب نقاہت کا غلبہ ہو گیا، تو پیکرِ علم وعمل، مجسمۂ تقویٰ وطہارت اور افضل ترین فردِ امت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو

امامت کیلئے نامزد فرمایا۔ اور بعد کے تاریخی ادوار میں جب اس معاملہ میں تغافل برتا جانے لگا، تو امت کا پورا نظام ہی درہم برہم ہوگیا۔ واللہ المستعان

(امامت کون کرائے؟ اس موضوع کے دو مفصل رسالے حضرۃ العلام سید بدیع الدین شاہ راشدیؒ اور ان کے شاگرد علامہ عبداللہ ناصر رحمانی ﷾ کی تالیف ہیں جنہیں ہم نے ایڈٹ کر کے اکٹھے بنام ''امامت کا اہل کون؟'' توحید پبلیکیشنز بنگلور کی طرف سے شائع کر دیا ہے جو کہ قابلِ مطالعہ ہے۔

و لله الحمد و منه القبول ، ابو عدنان)

ایک وضاحت:

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی شخص میں ترجیح کی تمام شکلیں موجود ہوں اور معیارِ فضیلت کے اعتبار سے وہی امامت کا اوّلین مستحق ہو، مگر اُس میں بعض ایسے امور پائے جاتے ہوں کہ نمازیوں کو اس کی امامت کے صحیح ہونے پر شبہ ہوتا ہو، مثلاً یہ کہ وہ شخص نابینا ہے یا مسافر وغیرہ ہے۔ تو کیا اس کی امامت صحیح ہے؟ جن لوگوں کے بارے میں اس قسم کا شبہ ہوسکتا ہے ان کا یکے بعد دیگرے ہم اختصار کے ساتھ تذکرہ کیے دیتے ہیں:

(۱) نابینا کی امامت:

ایسے لوگوں میں سے پہلا شخص نابینا ہے۔ حدیثِ شریف سے اِس کی امامت کے صحیح ہونے کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ ابوداؤد، مسند احمد، صحیح ابن حبان، مسند ابی یعلیٰ اور طبرانی میں حضرت انس، حضرت عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِسْتَخْلَفَ اِبْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ عَلَى الْمَدِينَةِ يَؤُمُّ النَّاسَ وَهُوَ أَعْمَىٰ)).

(ابو داؤد ۲/ ۳۰۵، الفتح الربانی ۵/ ۲۳۰، نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۶۰)

''نبی ﷺ نے (دو مرتبہ) حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے مدینہ منورہ کا امام مقرر فرمایا۔ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، حالانکہ وہ نابینا تھے۔''

صحیح بخاری ونسائی میں ہے کہ حضرت عِتبان بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی امامت کراتے تھے، جبکہ وہ نابینا تھے۔ اسی حدیث میں یہ تفصیل بھی مذکور ہے کہ انھوں نے اپنے نابینا ہونے کے باوجود امامت کرانے کی نبی ﷺ کو اطلاع دی تھی اور آپ ﷺ نے کسی قسم کا کوئی انکار نہیں فرمایا تھا۔

(بخاری مع الفتح ۱/ ۵۱۹، نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۶۰)

کتبِ حدیث میں حضرت عبداللہ خَطمی رضی اللہ عنہ کا نابینا ہونے کے باوجود عہدِ رسالت میں امامت کرانا بھی مذکور ہے۔ (نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۶۱)

(۲) مسافر کی امامت:

ایسے لوگوں میں سے دوسرا شخص مسافر ہے۔ مقیم کیلئے ''مسافر امام'' کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے، جبکہ بعد میں وہ اپنی نماز پوری کرلے، جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد وبزار، ابن ابی شیبہ اور بیہقی میں حضرت عِمران بن حُصَین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب تک سفر میں رہتے، دو رکعت نماز پڑھتے، آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اٹھارہ دن قیام فرمایا اور نمازِ مغرب کے سوا ہر نماز کی دو دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ فرمایا کرتے: اے مکہ والو! اٹھ کر بقیہ دو رکعتیں پڑھ لو۔

((فَإِنَّا قَوْمٌ سَفَرٌ))

''کیونکہ ہم تو مسافر ہیں۔''

(الفتح الربانی ٥/ ٢١٢، نیل الاوطار ٢/٣/ ١٦٦)

موطا امام مالک میں ایسا ہی حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(موطأ مع تنویر الحوالك للسیوطی ١/ ١٦٤، نیل الاوطار ٢/٣/ ١٦٦)

اس مسئلہ میں تو تمام آئمہ وفقہاء کے مابین کلی اتفاق ہے۔البتہ اس معاملہ میں اختلاف ہے کہ کیا مسافر کیلئے مقیم کی اقتداء میں نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں۔جبکہ شافعیہ واحناف کے نزدیک مقیم امام کی اقتداء میں مسافر کی نماز صحیح ہے۔اور امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مسافر جب کسی مقیم امام کے پیچھے نماز کا ایک حصہ، چاہے ایک رکعت یا اس سے بھی کم پڑھ لے،تو اسکے لئے لازم ہے کہ نماز مکمل پڑھے۔(اب وہ قصر نہیں کرسکتا) حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، امام ثوری واوزاعی، امام ابوحنیفہ اور احمد رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔جبکہ حضرت حسن بصری، امام نخعی، زہری، قتادہ اور امام مالک رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ اگر امام کے ساتھ ایک رکعت یا اس سے زیادہ نماز پالے،تو اُس پر لازم ہے کہ نماز پوری کرے اور اگر اس سے کم (یعنی سجود وتشہد وغیرہ) پائے تو پھر قصر کرلے۔ (الفتح الربانی ٥/ ٢٨٠-٢٨١)

مقیم امام کے پیچھے کسی مسافر کی نماز کے صحیح ہونے کا ثبوت صحیح مسلم اور نسائی میں اجمالاً اور مسند احمد میں تفصیلاً مذکور ہے۔

(الفتح الربانی ٥/ ٢٨١، نیل الاوطار ٢/٣/ ١٨٧)

(۳) نابالغ بچے کی امامت:

ایسے لوگوں میں سے تیسرا شخص وہ ہے جو معیارِ فضیلت کے لحاظ سے تو اولیٰ ہو اور سمجھدار بھی ہو مگر ابھی تک نابالغ اور بچوں میں شمار ہوتا ہو۔اُس کی امامت کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔

پہلا قول:

ایک یہ کہ بچے کی امامت صحیح ہے، کیونکہ بخاری، ابوداؤداور نسائی میں حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ اپنے قبیلہ والوں میں سے مجھے سب سے زیادہ قرآن یاد تھا:

((فَقَدَّمُوْنِي بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَأَنَا ابْنُ سِتِّ سِنِيْنَ أَوْ سَبْعِ سِنِيْنَ)).

''انھوں نے (امامت کیلئے) مجھے آگے کردیا، جبکہ میری عمر (اُس وقت) چھ یا سات سال تھی۔''

ابوداؤد کی روایت میں سات یا آٹھ سال اور نسائی میں آٹھ سال مذکور ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک ہی چادر ہوا کرتی تھی، جب میں سجدہ میں جاتا تو سِرک جاتی۔ ایک دن قبیلہ کی ایک عورت نے کہا:

((أَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا اِسْتَ قَارِئِكُمْ))

''ہم سے اپنے امام کے سُرین تو ڈھانک دو۔''

تب لوگوں نے میرے لئے کپڑا خریدا جس سے مجھے ازحد خوشی ہوئی۔

(بخاری: ۲/ ۱۸۵، ۸/ ۲۲، نیل الاوطار ۲/۳/ ۱۶۵، الفتح الربانی ۵/ ۱۳۱)

اس حدیث کی بناء پر امام شافعی، حسن بصری، اسحاق بن راہویہ، ابن المنذر رحمہم اللہ اور عام علمائے حدیث کے نزدیک ایسے سمجھدار بچے کی امامت فرض ونفل سب نمازوں میں صحیح ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا، اوران کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والے بھی سب صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اور علامہ ابن حزم نے نقل کیا ہے کہ

اس معاملہ میں ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے ان کی مخالفت بھی ثابت نہیں۔

(المحلی ٤/ ٢١٨، فتح الباری ٢/ ١٨٥، نیل الاوطار ٣/ ١٦٥، الفتح الربانی ٥/ ٢٣٤)

دوسرا قول:

امام شعبی، اوزاعی، ثوری اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی امامت (صحیح تو ہے مگر) مکروہ ہے، اور امام ابو حنیفہ واحمد رحمہما اللہ مشہور روایت کے مطابق فرضی ونفلی نمازوں میں فرق کرتے ہیں کہ نفلی میں جائز ہے، فرضی میں نہیں۔ حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں ملتی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ بچے کی امامت صحیح نہیں جبکہ:

اولاً:

تو وہ سنن اثرم میں ہیں، جس کی روایات کا صحیح بخاری ومسلم سے کیا مقابلہ؟

ثانیاً:

ان دونوں آثار کو محدّثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور صحیح احادیث کے مخالف ہونے سے ان کے ضعف کی رائے کو مزید تقویت ملتی ہے۔

(نیل الاوطار ٢/٣/ ١٦٥، ارواء الغلیل ٢/ ٣١٣)

عدم صحت کے قائل آئمہ کرام کہتے ہیں کہ حضرت عَمرو بن سَلِمہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بیان ہوا ہے۔ اور اُس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی اطلاع تھی یا نہیں؟ جبکہ فتح الباری (٢/ ١٨٥) میں قائلینِ صحت کی طرف سے یہ جواب نقل کیا گیا ہے کہ نزولِ وحی کے زمانہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا کوئی ایسا فعل برقرار نہیں رہ سکتا تھا جو کہ ناجائز ہوتا۔

فرضی اور نفلی نمازوں میں فرق کے قائلین کا کہنا ہے کہ مذکورہ حدیث میں حضرت عَمر وؓ کا جماعت کرانا نفلی نمازوں میں تھا، نہ کہ فرض میں۔ اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سیاقِ حدیث میں یہ بات مذکور ہے کہ فلاں فلاں نماز فلاں فلاں وقت پر پڑھو اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک شخص آذان دے اور جس شخص کو سب سے زیادہ قرآن یاد ہو، وہ امامت کرائے۔ لوگوں نے دیکھا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن یاد نہ تھا۔ اس سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فرض نمازوں کی امامت کرایا کرتے تھے۔ اور غیر فرض نماز کا احتمال اسلیئے بھی نہیں ہوسکتا کہ نفلی نماز کیلئے تو آذان مشروع ہی نہیں۔ (فتح الباری ۲/ ۱۸۵ ، نیل الاوطار ۲/۳/ ۱۶۶)

ابوداوٗد کی روایت میں حضرت عَمر وؓ کے یہ الفاظ:

((فَمَا شَهِدْتُ مَشْهَداً فِي جَرْمٍ إِلَّا كُنْتُ إِمَامُهُمْ))

(ابو داؤد ، فتح الباری ۲/ ۱۸۷ ، الفتح الربانی ۵/ ۳۳۲)

''جس موقع پر بھی میں موجود ہوا، جماعت میں ہی کروایا کرتا تھا۔''

فرضی و نفلی سب نمازوں کیلئے عام ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔ اور حدیث: ((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ)) سے بھی فرض نمازوں میں بچے کی امامت کے غیر صحیح ہونے کا استدلال کیا گیا ہے اور امام شوکانیؒ نیل الاوطار میں لکھتے ہیں کہ ((رُفِعَ الْقَلَمُ)) سے عدمِ صحت لازم نہیں آتی۔ (نیل الاوطار ۲/۳/ ۱۶۶)

اور فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے علامہ ابن حزم کے احتجاج و استدلال کا ابطال وردّ کیا ہے۔ (الفتح ۲/ ۱۸۶)

الغرض آئمہ کے اختلاف، اختلافِ رائے کی وجوہات، اعتراضات اور جوابات، شروحِ حدیث اور کتبِ فقہ میں بالتفصیل مذکور ہیں۔

(انظر علی الاقل المرعاة ۳/ ۱۱۱-۱۱۴)

④، ⑤

مُتنفّل کے پیچھے مُفترِض کی اور مُفترِض کے پیچھے مُتنفّل کی نماز:

جن لوگوں کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی شکل میں صحت وعدمِ صحت کا شبہ ہوتا ہے، ان میں سے چوتھا شخص متنفِّل یعنی وہ امام ہے جو نفلی نماز ادا کر رہا ہو، جبکہ مقتدیوں کی وہ فرض نماز ہو۔ اس مسئلہ میں آئمہ وفقہاءِ کرام کے دو قول ہیں:

① پہلا یہ کہ نفل پڑھنے والے کی امامت فرض نماز پڑھنے والوں کیلئے صحیح ہے۔ یہ امام عطاء، اوزاعی، طاؤس، داؤد ظاہری، امام شافعی، ایک روایت میں امام احمد (شرح السنہ ۱/ ٤٣٥) اور عام علمائے حدیث کا مسلک ہے۔ ان کا استدلال صحیح بخاری و مسلم کی اُس حدیث سے ہے، جس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((أَنَّ مُعَاذاً كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عِشَاءَ الْآخِرَةِ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَىٰ قَوْمِهِ فَيُصَلِّي بِهِمْ تِلْكَ الصَّلَاةَ))

(بخاری: ۲/ ۱۹۳، ۲۰۳، نیل الاوطار: ۳/ ۱۶۷)

"حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ نمازِ عشاء پڑھا کرتے تھے، پھر وہ اپنی قوم کی طرف جاتے اور انھیں وہی نماز پڑھایا کرتے تھے۔"

دار قطنی، بیہقی، طحاوی اور مصنف عبدالرزاق میں اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((هِيَ لَهُ تَطَوُّعٌ وَلَهُمْ مَكْتُوبَةُ الْعِشَاءِ)).

(نیل الاوطار و ایضاً و فتح الباری ۲/ ۱۹۵۔ ۱۹۶)

"یہ ان کی نفل نماز ہوتی تھی اور لوگوں کی فرض عشاء۔"

اس واقعہ کی بناء پر اگر کبھی ایسا ہو جائے تو مذکورہ آئمہ کرام وعلماء نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

۲ جبکہ اس سلسلہ میں دوسرا مسلک امام ابو حنیفہ، مالک اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ کا ہے۔ان کے نزدیک مُتنفِّل کے پیچھے مُفترِض کی نماز نہیں ہوتی اور اِن کا استدلال بخاری و مسلم، ابوداؤد اور مسند احمد، نسائی و ابن ماجہ کی اِس حدیث سے ہے:

((إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ))

(الفتح الربانی :۲۷۳/۵، صحیح الجامع : ۲۳۵۷)

''امام اسلیئے بنایا گیا ہے کہ اُسکی اتباع کی جائے۔''

اس حدیث کی رو سے اِن کے نزدیک امام ومقتدی کے افعال اور نیت میں مطابقت ہونا ضروری ہے۔جبکہ پہلے مسلک والوں کے نزدیک افعال میں تو ضروری ہے ،مگر نیت میں نہیں ۔لہٰذا ان کے نزدیک بقول امام نوویؒ وابن حجر وامام مالک و بغوی مُتنفِّل کے پیچھے مُفترِض کی (اور مُفترِض کے پیچھے مُتنفِّل کی) اور عصر پڑھنے والے کے پیچھے ظہر پڑھنے والے کی نماز صحیح ہے۔

(شرح مسلم للنووی ، فتح الباری ۲/ ۱۹۵ ، شرح السنہ ۳/ ۴۳۵، الفتح الربانی ۵/ ۲۸۰)

① مُفترِض کے پیچھے مُتنفِّل کی نماز کے جواز کا ثبوت ایک ہی مسجد میں دوسری جماعت والی حدیث ہے۔

② اُس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے جسمیں ہے کہ دو صحابی مسجد میں آئے مگر جماعت میں شریک نہ ہوئے ،تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز پڑھ چکے ہو،اور مسجد میں جماعت مل جائے تو شامل ہو جاؤ،تمہاری یہ نماز نفلی ہو جائے گی۔

③ آئمہ ظلم وجور کے پیچھے نماز ادا کرنے والی حدیث میں بھی ایسا ہی ہے۔

(نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۵۳، ۱۶۳، شرح السنہ ۳/ ۴۳۲، الفتح الربانی ۵/ ۲۲۱ و۳۳۷، مشکوٰۃ ۱/ ۳۶۲)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والے واقعہ پر امام طحاوی رحمہ اللہ نے اعتراض کیا ہے کہ ان کا یہ عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نہیں تھا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا۔

(فتح القدیر شرح هدایه ۱/ ۱۵۶، فتح الباری ۲/ ۱۹۶)

صاحبِ فتح الباری اسکا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی صحابی کے کسی کام پر اگر کوئی مخالف صحابی نہ ہو تو وہ بالاتفاق حجت ہوتا ہے اور اس بات پر بھی ان کا کوئی مخالف نہیں جبکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے تمام مقتدی صحابہ ہی تھے۔ اور بقول علامہ ابن حزم: اُن میں چالیس بدری صحابی اور تیس بیعتِ عقبہ میں شرکت کرنے والے تھے۔ اور مخالفت کی کوئی اطلاع نہ ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروق، عبداللہ بن عمر، ابودرداء اور انس رضی اللہ عنہم سے تو جواز کی روایات بھی ملتی ہیں۔

(فتح الباری ۲/ ۱۹۶)

رہا یہ اعتراض کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز نفلی ہوتی اور دوسری فرضی، یہ بات صحیح نہیں اور نہ ہی اسے عقل مانتی ہے۔

(تفصیل :فتح الباری ۲/ ۱۹۶، نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۶۸)

⑥ غلام کی امامت:

غلام کی اقتداء میں بھی نماز صحیح ہے جیسا کہ صحیح بخاری وابوداؤد، مسند امام شافعی ومصنف عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ میں مذکور احادیث سے پتہ چلتا ہے۔

(للتفصیل: بخاری مع الفتح ۲/ ۱۸۴۔۱۸۷، نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۶۱۔۱۶۲)

⑦ معذور وغیرہ کی امامت:

⑦ کسی عذر والے کے پیچھے نماز پڑھنا، جو عذر کی بناء پر بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں مذکور ہے۔ اور بقول حافظ ابن حجر ونووی: بیٹھ کر نماز پڑھانے والے کے پیچھے بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر،

⑧ اور اس کے برعکس بھی، دونوں طرح ہی نماز ادا کرنا جائز ہے، جیسا کہ ترمذی، نسائی، اور بیہقی میں ہے۔

(بخاری و فتح الباری ۲/ ۳/ ۱۷۲ ـ ۱۷۳، ۱۷۶، ۱۷۷، مسلم و النووی، نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۱۶۹ ـ ۱۷۳، الفتح الربانی ۵/ ۲۸٤ ـ ۲۸۸، المرعاۃ ۳/ ۱۲۱، ۱۲۵، عون المعبود ۲/ ۳۱۰ـ۳۱۷، تحفہ الاحوذی ۲/ ۳٤۸ ـ ۳۵٦) .

⑨ متیمّم (تیمّم والے) کے پیچھے متوضّیٔ (وضوء والے) کا نماز ادا کرنا بھی صحیح ہے جیسا کہ ابوداؤد، مسند احمد، مستدرک حاکم، ابن حبان اور بیہقی میں ہے۔

(نیل الاوطار ۱/ ۲/ ۳۰۲ـ ۳۰٤، ۲/ ۳/ ۱۷۳، الفتح الربانی ۵/ ۱۸۱ـ۱۸۳)

⑩ ماسح خفین (موزوں پر مسح کرنے والے) وغیرہ کے پیچھے غاسل (پاؤں کو دھونے والے) کی نماز ادا کرنا بھی صحیح ہے۔

(الفقه علی المذاهب الاربعه ۱/ ٤۳۰)

⑪ مفضول (کم فضیلت والے) کی امامت میں فاضل (زیادہ فضیلت والے) کی نماز بھی درست ہے۔

(صحیح بخاری و مسلم کا امامتِ حضرت عبد الرحمن بن عوف ص میں نمازِ نبوی ﷺ والا واقعه شاهد هے ـ النیل: ۳/ ۱۵۲) .

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ .

⑫، ⑬

امامِ عصر کی اقتداء میں نمازِ ظہر یا امامِ عشاء کی اقتداء میں نمازِ مغرب:

اس سلسلہ میں ہفت روزہ الاعتصام میں حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناءاللہ خان صاحب مدنی کا فتویٰ شائع ہوا ہے سوالات سمیت وہ درج ذیل ہے:

چند سوالات:

① اگر ظہر کی نماز رہ جائے اور مسجد میں اس وقت پہنچے جب کہ عصر کی جماعت ہو رہی ہو۔ کیا وہ پہلے ظہر کی نماز ادا کرے گا یا جماعت کے ساتھ شامل ہو کر نمازِ عصر ادا کرے گا؟ اور اس کے بعد نمازِ ظہر ادا کرے گا؟ اس طرح حدیث **((لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ الْعَصْرِ))** کے خلاف تو نہ ہوگا؟

② اگر کسی شخص کی نمازِ مغرب رہ گئی ہے اور جب مسجد میں پہنچا تو عشاء کی جماعت ہو رہی ہے۔ کیا وہ پہلے نمازِ مغرب ادا کرے گا یا جماعت کے ساتھ ہو جائے گا؟ اور وتر ادا کرنے کے بعد نمازِ مغرب ادا کرے گا؟ اس طرح **((لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ الْوِتْرِ))** کے خلاف تو نہیں ہوگا؟

ہمارے ہاں اس بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول:

پہلے نمازِ مغرب پڑھے، پھر جماعت میں شامل ہو۔ مسجد میں پڑھ لے یا گھر جا کر پڑھے، پھر مسجد میں آ جائے۔ اس طرح اگر مسجد میں پڑھے گا تو امام کی آواز آئے گی۔ اور نماز نہ ہوگی۔ اگر گھر جائے گا تو عشاء کی جماعت ختم ہو جائے گی اور

جماعت کے ثواب سے محروم ہوگا۔

دوسرا قول :

پہلے جماعت میں شامل ہو اور سنتوں سے فارغ ہوکر وتروں سے پہلے نمازِ مغرب ادا کرے، اور پھر وتر ادا کرے۔ اس طرح نمازِ عشاء کی ترتیب ٹوٹ جائے گی۔

تیسرا قول :

نمازِ عشاء مکمل ادا کرنے کے بعد نمازِ مغرب کی قضاء دے، اس طرح ((لَاصَلٰوةَ بَعْدَ الْوِتْرِ))۔ کے خلاف نہ ہوگا۔

کیونکہ وہ نماز فرضی تھی اور وہ اگلے دن سورج نکلنے سے پہلے ادا نہیں کرسکتا جیسا کہ ((لَا صَـلٰـوةَ بَعْدَصَلٰوةِ الْفَجْرِ)) سے ظاہر ہوتا ہے کیا اسے یقین ہے کہ وہ اتنا وقت زندہ رہ سکے گا؟

جنابِ محترم! ان تین اقوال میں سے کونسا قول اقرب إلی السنّہ ہے؟ بعد اگر اس سے بہتر کوئی حل ہو تو بیان فرما کر احسان فرمائیں۔

الجواب بعون الوهاب:

ایسی حالت میں مقتدی پہلے عصر کی نماز ادا کرے، بعد میں ظہر پڑھے۔ حدیث میں ہے:

((إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الَّتِيْ أُقِيْمَتْ لَهَا)).

(مسند احمد و طحاوی وقال الشوکانی فی نیل الاوطار: و قال العراقی: اسناده حسن)

''جب اقامت ہو جائے تو کوئی نماز نہیں، مگر وہی جس کی اقامت

ہوئی ہے۔"

جہاں تک اس پر اعتراض کا تعلق ہے کہ عصر کے بعد ظہر کی نماز پڑھنے میں بعض قباحتیں نظر آتی ہیں، مثلاً حدیث ((لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ)) کے منافی ہے۔ دوسرا: ترتیب معکوس ہوجاتی ہے۔ سو اس اشکال کا جواب یوں ہے کہ شرع میں فوت شدہ نماز کا کوئی وقت متعین نہیں، حسبِ توفیق قطع نظر ممنوعہ اوقات کے، ہر وقت پڑھی جاسکتی ہے۔ مزید آنکہ رسول اللہ ﷺ سے عصر کے بعد ظہر کے نوافل کی قضاء بھی ثابت ہے اور فجر کے فرائض کے بعد پہلی دو رکعتیں پڑھنے کا جواز بھی منقول ہے۔ جب ممنوع وقت میں نوافل کی قضائی دی جاسکتی ہے تو فوت شدہ فرضوں کی قضاء بطریقِ اولیٰ جائز ہونی چاہیئے۔ دوسرا: ترتیب کا اہتمام وہاں ہوگا جہاں کوئی عارضہ لاحق نہ ہو۔ زیرِ بحث محل ومقام میں مذکورہ حدیث کی بناء پر پہلے حاضر نماز ادا کی جائے، پھر فوت شدہ۔ اسی طرح مغرب کی نماز بھی عشاء کے فرضوں کے بعد اور وتروں سے پہلے ادا کی جائے، تاکہ وتر رات کی آخری نماز بن سکے۔ صحیح بخاری ومسلم اور ابوداؤد میں حدیث ہے:

((اِجْعَلُوْا آخِرَ صَلٰوتِکُمْ بِالَّلیْلِ وِتْراً))

(صحیح الجامع : ۱۵۱)

"رات کی آخری نماز وتر بناؤ۔"

آپ کے درج کردہ الفاظ قریباً اسی حدیث کا مفہوم ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ عشاء کے فرض اور وتر میں ترتیب ضروری نہیں بلکہ رات کی ساری نماز سے وتروں کو موخر کرنا ہی افضل الامور ہے۔

اس مقام پر علماء کا دوسرا گروہ اس بات کا بھی قائل ہے کہ عصر اور عشاء کے امام

کی اقتداء میں بالترتیب ظہر اور مغرب کی نیت بھی ہو سکتی ہے، گویا کہ ان کے نزدیک دونوں طرح اختیار ہے۔ ان کے پیش نظر بھی بعض دلائل ہیں، جن کا ماحصل یہ ہے ایک تو ترتیب ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ دوسرا اگر کوئی شخص اس حالت میں مر جائے تو فوت شدہ نماز کے بارے میں ذمہ دار ٹھہرے گا جبکہ حاضر فرض ساقط ہو جائے گا۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ اس طرح انسان مکروہ وقت میں قضائی سے بھی بچ جاتا ہے جو مستحسن فعل ہے۔

لہٰذا عصر کے امام کی اقتداء میں ملنے والا پہلے ظہر پڑھے۔ پھر عصر کی نماز ادا کرے گا۔ اور امام عشاء کی اقتداء میں مغرب کی تیسری رکعت میں تشہد بیٹھ جائے۔ جب امام عشاء کی چوتھی رکعت سے فارغ ہو تو اس کے ساتھ اکٹھے سلام پھیرے یا پہلے ہی سلام پھیر کر اپنے آپ کو فارغ کر لے، لیکن اس میں امام کی مخالفت لازم آتی ہے جو درست بات نہیں۔

اس طرح پہلے قول پر تعمیل کی صورت میں مذکورۃ الصدر حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے اور گھر لوٹ کر نماز پڑھنے سے اپنے آپ کو جماعت کے اجر و ثواب سے محروم کرنا ہے، جو عاقل فہیم کے شایانِ شان نہیں۔

تیسرے قول میں بھی جواز کا پہلو غالب ہے، کیونکہ فوت شدہ نماز کی قضاء کا کوئی وقت مقرر نہیں، ہر وقت دی جا سکتی ہے۔ حدیث میں ہے:

((فَإِذَا سَهَى أَحَدُكُمْ عَنْ صَلَاةٍ فَلْيُصَلِّهَا حِينَ يَذْكُرُهَا وَمِنَ الْغَدِ لِلْوَقْتِ))

(سنن ابی داؤد ،باب "مَنْ نَامَ عَنْ صَلٰوةٍ أَوْ نَسِيَهَا")

"تم میں سے جب کوئی کسی نماز کو بھول جائے تو یاد آتے ہی اسے پڑھ لے، اور اگلے دن کی نماز کو اسکے وقت پر ہی ادا کرے۔"

اور صاحب العون رقمطراز ہیں:

((مَعْنَاهُ أَنَّهُ يُصَلِّي الصَّلٰوةَ الْفَائِتَةَ حِيْنَ يَذْكُرُهَا فَإِذَا كَانَ الْغَدُ يُصَلِّي صَلَاةَ الْغَدِ فِيْ وَقْتِهَا الْمُعْتَادِ))

(عون المعبود ١/ ١٦٨)

''فوت شدہ نماز جب بھی کسی کو یاد آئے پڑھ لے اور دوسرے دن اپنے مقررہ وقت پر پڑھنی چاہیئے۔''

سوال کے اخیر میں آپ کے مقرر کردہ مفروضے کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ شرع میں قضاء کا جواز ہر وقت موجود ہے۔

(دیکھئے: صلوۃ الرسول ﷺ حکیم مولانا محمد صادق سیالکوٹی ص: ۳۵۰ ،تعلیقات حافظ عبد الرؤف ، فتاویٰ اہلحدیث ۲/ ٦١ ، ھفت روزہ الاعتصام لاھور جلد: ٤٤، شمارہ: ۲۹ ، بابت ١٥/ محرم ١٤١٣ھ-١٧/ جولائی ١٩٩٢ء)

فاسق اور بدعتی کی امامت:

کسی کے ذاتی افعال اور خصوصاً برائیوں کی ٹوہ میں رہنا، انھیں کریدنا اور تجسس سے کام لینا، قرآن وسنت کے واضح دلائل کی رو سے قطعاً منع ہے۔ مگر بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے بارے میں ان ذرائع میں سے کسی بھی ذریعہ سے کام لیئے بغیر ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعض کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ ''فاسق'' کہلاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو امام بنانا صحیح نہیں اور ان کی اقتداء میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ یہی حکم ظالم اور بدعت ساز اور بدعت نواز، بدعتی کا بھی ہے۔

ایسے لوگوں کے پیچھے نماز ادا کرنے کے مکروہ ہونے میں تو بقول امام شوکانی کوئی اختلاف نہیں، البتہ الفقه علی المذاهب الاربعه میں حنابلہ کے بارے میں لکھا ہے

کہ ان کے نزدیک فاسق کے پیچھے نماز جائز ہی نہیں مگر عیداور جمعہ کی نماز ایسی صورت میں جائز ہے جبکہ کسی دوسرے کا امام بننا مشکل ہو۔ حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک فاسق کے پیچھے نماز تو ہو جاتی ہے، مگر مکروہ ہے۔

(الفقه على المذاهب الاربعه ١/ ٤٢٩)

ظالم، فاسق اور بدعتی کے بارے میں جو خاص اختلاف ہے وہ صرف اس چیز میں ہے کہ آیا ان کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں جمہور کا مسلک یہی ہے کہ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے۔

(ابو داؤد: ٢/ ٣٠٤، مشكوة ١/ ٣٥١، نيل الاوطار: ٣/ ١٦٢، الارواء ٢/ ٣٠٤)

کیونکہ بعض ضعیف روایات جو کہ ابوداؤد اور دار قطنی میں ہیں، اُن سے جواز کی تائید ہوتی ہے۔ اور امیر صنعانی صاحبِ سبل السلام لکھتے ہیں کہ یہ احادیث تو سب ضعیف ہیں، لیکن ان کی کثرت صحتِ نماز پر دلالت کرتی ہے۔ جبکہ ایک روایت ابن ماجہ میں ہے، جسمیں فاجر کی امامت میں نماز سے منع کیا گیا ہے اور وہ بھی ضعیف قرار دی گئی ہے۔ (نيل الاوطار: ٣/ ١٦٢، عون المعبود: ٢/ ٣٠٤)

عون المعبود شرح ابو داؤد میں لکھا ہے کہ جب منع اور جواز دونوں جانب کی احادیث ہی ضعیف ہوئیں تو مسئلہ اصل کی طرف لوٹ گیا اور اصل یہی ہے کہ جس کی اپنی نماز صحیح ہو، اس کی امامت بھی صحیح ہے۔ (عون المعبود ٢/ ٣٠٤)

اُن تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اسی بات کی تائید کرتا ہے جنھوں نے بنوامیہ کا زمانہ پایا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حجاج کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

(نيل الاوطار ٣/ ١٦٣، الفتح الرباني ٥/ ٢٢٣، الارواء ٢/ ٣٠٣)

جبکہ صحیح مسلم اور کتبِ سنن میں ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے مروان کے پیچھے عید کی نماز پڑھی۔اور اسی حدیث میں مذکور ہے کہ مروان نے عید کا خطبہ پہلے دیا اور نماز بعد میں پڑھائی۔اور عید گاہ میں منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نکال کر رکھا، اور لوگوں نے اس بات پر نکیر کی۔ (حوالہ جاتِ سابقہ)

بخاری شریف میں تعلیقاً مگر سنن سعید میں موصولاً مروی ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا:

((صَلِّ وَعَلَيْهِ بِدْعَتُهُ)) (بخاری مع الفتح ۲/ ۱۸۸)۔

”تم اس کے پیچھے نماز پڑھ لو اس کی بدعتوں کا وبال اُسی پر پڑے گا۔“

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے پیچھے نماز پڑھنا ثابت ہے، جبکہ وہ شرابی تھا اور اس نے ایک دن لوگوں کو فجر کی چار رکعتیں پڑھا دیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پر اسے کوڑے لگوائے تھے۔

(فقه السنه ۱/ ۲۳۷)

الغرض کبیرہ گناہوں کے مرتکب اور ظالم و بدعتی امام کے پیچھے نماز تو ہو جائے گی اور خصوصاً اس وقت جبکہ وہ صاحبِ اثر و نفوذ بھی ہو، مگر یہ مکروہ ہے۔

ناپسندیدہ امام کی امامت:

وہ آدمی جسکے مقتدیوں کی اکثریت اُسے اس کی جہالت یا کسی دوسری وجہ سے ناپسند کرتی ہو۔اس کی امامت کے بارے میں بعض آئمہ وفقہاء نے حرمت کا اور بعض نے کراہت کا حکم لگایا ہے، کیونکہ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے جسکی سند کو امام نووی و علامہ عراقی نے حسن قرار دیا ہے، اسمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تین قسم کے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھی اوپر

نہیں اٹھتی، یعنی قبول نہیں ہوتی، ان میں سے ایک شخص یہ ہے :

((رَجُلٌ أَمَّ قَوْماً وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ))

(ابو داؤد: ۲/ ۳۰۳، مشکوٰۃ ۱/ ۳۵۳، نیل الاوطار :۳/ ۱۷۷)

''وہ آدمی جس نے کسی قوم کی امامت کروائی، جبکہ وہ اس سے نفرت کرتے ہیں''۔

ترمذی شریف کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

((وَإِمَامُ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ)).

(ترمذی مع التحفه ۲/ ۲۴۷، مشکوٰۃ ۱/ ۳۵۰ و حسنه الالبانی، ترمذی بتحقیق عبد الوهاب عبد اللطیف ۱/ ۲۲۴)

''وہ شخص جو ایسے لوگوں کی امامت کرائے جو اُسے پسند نہ کرتے ہوں''۔

ایسے شخص کے مقتدیوں کی نماز تو مکروہ ہے، جبکہ اُس کی اپنی نماز قبول ہی نہیں ہوتی۔

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ پسند و ناپسند کا معیار صرف دین و شریعت ہے کہ سبب شرعی ہو اور اگر ناپسندیدگی کا سبب کوئی ذاتی رنجش وتعصّب وغیرہ ہو، تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اِسی طرح جسے نمازیوں کی اکثریت پسند کرتی ہو وہاں اگر چند ایک ناپسند کرنے والے بھی موجود ہوں تو ان سے اس کی امامت ونماز پر کچھ فرق نہیں پڑتا۔ صرف نیک ودین دار لوگوں کی پسند و ناپسند معتبر ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تو احیاء علوم الدین میں فرماتے کہ اگر ناپسند کرنے والے خود متدیّن نہ ہوں تو:

((فَانْظُرْ إِلَيْهِمْ)) ''انہیں بھی دیکھ لیں''۔

(نیل الاوطار ۳/۱۷۷، شرح السنه ۳/ ۴۰۴، المرعاۃ ۳/ ۱۰۷)

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: اگر امام ظالم

(یعنی نقص وعیب والا) نہ ہوتو گناہ ان کو ہوگا جواُسے ناپسند کرتے ہوں گے۔

(ترمذی بتحقیق عبد الوهاب ١/ ٢٢٤، ومع تحفه الاحوذی ٢/ ٢٤٦ مدنی)

بعض دائم المرض لوگوں کی امامت:

سلسُ البول، انفلاتِ ریح اور انطلاقِ بطن وغیرہ کے عذر والے لوگوں کی امامت بھی جمہور کے نزدیک صحیح نہیں۔البتہ مالکیہ کے نزدیک صحیح مگر مکروہ ہے۔

(فقه السنه ١/ ٢٣٧ ، الفقه على المذاهب الاربعه ١/ ٤١٠)

عورت کی امامت:

نمازِ باجماعت کے سلسلہ میں اب صرف ایک بات رہ گئی ہے جس کا آپ کے سامنے رکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ ہے ,,عورت کی امامت،،۔اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں،جن میں سے:

① پہلا یہ کہ آیا کوئی عورت کسی شکل میں مردوں کی امامت کرا سکتی ہے؟اس سلسلہ میں جمہور علماء امت کا مسلک یہ ہے کہ عورت کا مردوں کی امامت کرانا ناجائز ہے اوران کا استدلال ابن ماجہ کی اس روایت سے ہے جس میں ہے:

((لَا تَؤُمَّنَّ اِمْرَأَۃٌ رَجُلًا))

(نیل الاوطار ٢/٣/ ١٦٣)

''کوئی عورت کسی مرد کی امامت ہرگز نہ کرائے۔''

یہ روایت فی نفسہٖ سخت ضعیف ہے،جیسا کہ امام بخاری ،ابن حبان اور وکیع رحمہم اللہ جیسے اساطینِ علمِ حدیث نے صراحت کی ہے۔

(نیل الاوطار ٢/٣/ ١٦٣، الفتح الربانی ٥/ ٢٣٤)

یہی وجہ ہے کہ امام داؤد ظاہری، ابوثور، مُزنی اور طبری نے جواز کا کہا ہے۔امیر صنعانی کا بھی سبل السلام میں اسی طرف میلان ہے۔

(عون المعبود ۲/ ۲۰۲، سبل السلام)

اس حدیث کے ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا استدلال ابوداؤد، مسند احمد، بیہقی، دار قطنی اور مستدرک حاکم کی اُس حدیث سے بھی ہے جسے امام ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے، جس میں ام ورقہ بنتِ نوفل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُنھیں ملنے کیلئے ان کے گھر تشریف لائے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیئے ایک موذّن بھی مقرر کر رکھا تھا، جو ان کیلئے آذان دیتا تھا:

(وَأَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا)

(ابو داؤد مع العون ۲/ ۲۰۱، الفتح الربانی ۵/ ۲۳۳)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم فرمایا تھا کہ وہ اپنے اہلِ خانہ کو امامت کرایا کریں۔''

مذکورہ پانچوں علماء نے اس حدیث کے ظاہری الفاظ کو دلیل بنایا ہے کہ عورت کی امامت اپنے گھر والوں کیلئے صحیح ہے، اگر چہ ان میں کوئی مرد بھی کیوں نہ ہو کیونکہ ان کے لیئے ایک موذِّن مقرر تھا جو راویٔ حدیث حضرت عبدالرحمٰن نے دیکھا تھا کہ وہ بوڑھا تھا۔ (ابو داؤد ایضاً)

ان کے نزدیک اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس موذِّن، ایک غلام اور ایک کنیز کو امامت کرایا کرتی تھیں۔ جبکہ جمہور علمائے امت کے نزدیک ابن ماجہ والی روایت کی بناء پر عورت کی امامت مردوں کیلئے جائز نہیں اور حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا والی حدیث کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی صراحت

نہیں کہ موذِن اور غلام بھی ان کی اقتداء میں ہی نماز پڑھتے تھے، بلکہ عین احتمال ہے کہ موذِن آذان دے کر مسجد میں چلا جاتا ہو۔ اور یہی احتمال غلام کے بارے میں تو اور بھی قوّی ہے۔ گویا وہ اپنے گھر کی صرف عورتوں کو جماعت کرایا کرتی تھیں اور اسی بات کی تائید دارقطنی کی حدیث سے ہوتی ہے، جس میں ہے:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَذِنَ لَهَا أَنْ يُؤَذَّنَ لَهَا وَيُقَامَ وَتَؤُمَّ نِسَاءَ هَا)) (دار قطني، الفتح الرباني ٥/ ٢٣٤)

''نبی ﷺ نے انھیں اجازت دی تھی کہ ان کے لیئے آذان واقامت کہی جائے اور وہ اپنے گھر کی عورتوں کی امامت کرایا کریں۔''

عورت چونکہ مردوں کیلیئے جب آذان ہی نہیں کہہ سکتی تو وہ ان کی امامت بھی نہیں کراسکتی۔

اس تفصیل سے اس امریکی عورت ڈاکٹر امینہ داود کے خواتین وحضرات کو جمعہ پڑھانے، خطبہ دینے اور امامت کروانے والی جسارت کی قلعی بھی کھل جاتی ہے جس کا کچھ عرصہ پہلے میڈیا میں بڑا شور اٹھا تھا۔

② اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ آیا عورت صرف عورتوں کو جماعت کرا سکتی ہے یا نہیں؟ تو یہ بات متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ کے حکم اور اذن نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ مگر اسمیں شرط یہ ہے کہ وہ مردوں کی طرح بحثییت امام آگے بڑھ کر الگ کھڑی نہیں ہوگی، بلکہ پہلی صف کے اندر ہی لیکن وسط میں رہے گی اور اسمیں فرضی ونفلی نمازوں کا بھی کوئی فرق نہیں۔

اِس کی ایک دلیل تو وہی حدیثِ امِ ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا ہے جو ابھی ابھی گزری ہے۔ اور دوسری حدیث دارقطنی، بیہقی اور مصنف عبد الرزاق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کے بارے میں ہے:

((أَنَّهَا أَمَّتْهُنَّ، فَقَامَتْ بَيْنَهُنَّ فِي صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ))

(عون المعبود ۲/ ۳۰۱، الفتح الربانی ۵/ ۲۳۵)

''ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کو فرض نماز کی امامت کرائی اور وہ ان کے مابین کھڑی ہوئیں۔''

مصنّف عبدالرزاق کی حدیث میں نمازِ عصر کی امامت کی وضاحت بھی موجود ہے۔ (العون و اعلام الفتح الربانی)

ابن ابی شیبہ اور مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہی ہے:

((أَنَّهَا كَانَتْ تَؤُمُّ النِّسَاءَ فَتَقُوْمُ مَعَهُنَّ فِي الصَّفِّ))

''وہ عورتوں کی امام کرایا کرتی تھیں، اور ان کے مابین ہی صف میں کھڑی ہوا کرتی تھیں۔'' (عون المعبود ایضاً)

تیسری حدیث امام شافعی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے، جس میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں صراحت موجود ہے:

((أَنَّهَا أَمَّتْهُنَّ فَقَامَتْ وَسَطاً)) (العون ایضاً)

''انھوں نے عورتوں کی امامت کرائی، اور ان کے وسط میں کھڑی ہوئیں۔''

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی ہے:

((أَنَّهَا كَانَتْ تَؤُمُّ النِّسَاءَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فَتَقُوْمُ وَسَطاً))

(بحوالہ العون ۲/ ۳۰۱)

''وہ ماہ رمضان میں عورتوں کو جماعت کرایا کرتی تھیں اور صف کے درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں۔''

ان سب احادیث کی بناء پر امام ابن المنذر نے ام المؤمنین حضرت عائشہ و ام سلمہ (حضرت ام ورقہ بنت نوفل اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم) کے علاوہ امام عطاء، ثوری، ابوثور، اوزاعی اور اسحاق بن راہویہ سے جواز نقل کیا ہے اور ایک روایت میں امام مالک اور مالکیہ کے نزدیک عورت کی امامت کسی حال میں بھی جائز نہیں، نہ مردوں کیلئے نہ عورتوں کیلئے۔ اِمام مالک سے ایک دوسری روایت کے مطابق یہی منقول ہے۔ حضرت حسن بصری اور سلیمان بن یسار بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ان سب کی دلیل صرف یہ ہے کہ عورتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ((نَاقِصَاتُ الْعَقْلِ وَالدِّیْنِ)) کہا گیا ہے، لہٰذا ان کی امامت صحیح نہیں۔

(الفتح الربانی ۵/ ۲۳۵، الفقه علی المذاهب الاربعه ۱/ ۴۰۹)

شافعیہ، حنابلہ اور احناف میں سے امام ابن الہمام رحمہ اللہ کے نزدیک بھی عورت کی عورتوں کیلئے امامت بلا کراہت جائز ہے۔ دیگر احناف کے نزدیک عورت کی امامت جائز و صحیح تو ہے مگر مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ جبکہ ناپسندیدگی کی کوئی معقول دلیل نہ ہونے کی وجہ سے فتح القدیر شرح ہدایہ کے مؤلف امام ابن الہمام نے بلا کراہت جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

شعبی، نخعی اور قتادہ نے نفل و فرض میں فرق کرتے ہوئے، نفل میں جواز کی اور فرض میں عدم جواز کی رائے قائم کی ہے۔ (الفتح الربانی ۵/ ۲۳۵)

کسی مرد کا صرف عورتوں کی امامت کرانا:

کسی مرد کا صرف عورتوں کی امامت کرانا جائز ہے، کیونکہ طبرانی و ابو یعلیٰ

میں حسن درجہ کا سند کے ساتھ حضرت ابیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

((أَنَّهُ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَمِلْتُ اللَّيْلَةَ عَمَلاً ،قَالَ: مَا هُوَ؟ قَالَ: نِسْوَةٌ مَعِي فِي الدَّارِ قُلْنَ: إِنَّکَ تَقْرَأُ وَلَا نَقْرَأُ فَصَلِّ بِنَا. فَصَلَّيْتُ ثَمَانِياً وَالْوِتْرَ. فَسَكَتَ النَّبِيُّ. قَالَ: فَرَأَيْنَا أَنَّ سُكُوْتَهُ رِضَاهُ))

(عون المعبود ٢/ ٣٠٢، فقه السنه ١/ ٢٣٧)

''وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا :اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے رات ایک کام کردیا ہے، پوچھا: کیا کر بیٹھے ہو؟ عرض کیا: میرے گھر کی خواتین نے کہا کہ تم قرآن زیادہ پڑھے ہوئے ہو اورہم پڑھنا نہیں جانتیں۔تم ہمیں جماعت کروادو ، میں نے انھیں آٹھ رکعتیں اوروتر پڑھادیئے۔اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیارفرمائی۔تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی کوآپکی رضامندی سمجھا۔''

احناف اورحنابلہ کے نزدیک یہ شرط بھی ہے کہ عورتوں میں اس کی کوئی نہ کوئی محرم ہو،تب تو مطلقاً جائزہے ورنہ جائزمگرمکروہ ہےاور باقی کے ہاں یہ شرط بھی نہیں۔

(الفقه علی لمذاهب الاربعه)

قضاءنماز کی اقامت وجماعت

قضاءنماز کی اقامت وجماعت کے حکم کے سلسلہ میں امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں مستقل ایک باب قائم کیا ہے:

[بَابُ مَنْ صَلَّىٰ بِالنَّاسِ جَمَاعَةً بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ]

''جس نے وقت گزر جانے کے بعد کسی نماز کو جماعت کے ساتھ لوگوں کو پڑھایا، اس کا بیان۔''

اور اس باب کے تحت جو حدیث لائے ہیں وہ صحیح مسلم، ترمذی اور دیگر کتبِ حدیث میں بھی مروی ہے۔ جس میں غزوۂ خندق (احزاب) کا ایک واقعہ مذکور ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کے دن غروبِ آفتاب کے بعد آئے جبکہ وہ کفارِ قریش کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!

((مَا كِدْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ))

''میں نمازِ عصر اس وقت تک نہیں پڑھ سکا جب تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب نہیں ہوگیا۔''

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا))

''اللہ کی قسم میں نے بھی ابھی تک نہیں پڑھی''۔

آگے وہ بیان فرماتے ہیں:

((فَقُمْنَا اِلٰی بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ لِلصَّلوٰۃِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا، فَصَلَّی الْعَصْرَ بَعْدَمَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰی بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ))
(بخاری ۲/ ٦۸، مختصر مسلم: ۲۲۱، ترمذی ۱/ ۵۳٤، المنتقی ۱/ ۲/ ۹۲)

''پس ہم سب وادیٔ بطحان کی طرف گئے ۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے نماز کیلئے وضوء کیا اور ہم سب نے بھی اسی غرض کیلئے وضوء کیا تو سورج غروب ہوجانے کے بعد آپ ﷺ نے نمازِ عصر پڑھی ۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی۔''

اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ بات اخذ کی ہے کہ وقت گزرنے کے بعد بھی جب کوئی نماز پڑھی جائے تو اس کی جماعت کرانا چاہیئے ۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے عصر کی نماز، غروبِ آفتاب کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر جماعت سے پڑھی تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ فتح الباری میں شارح بخاری لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں قضاء نمازوں کو باجماعت ادا کرنے کے استحباب کی دلیل ہے اور اکثر اہلِ علم کا یہی قول ہے سوائے لیث کے ۔ اگرچہ وہ بھی نمازِ جمعہ کی قضاء کی صورت میں اسے باجماعت ادا کرنے کے قائل ہیں ۔ اور ہر قضاء نماز کیلئے اقامت کو بھی روا سمجھتے تھے ۔ (البتہ ہر قضاء کیلئے جماعت کے حق میں وہ نہیں) جبکہ یہ حدیث اور بعض دیگر احادیث جماعت کے استحباب کے قائلین کی مؤیّد ہیں ۔ اور امام لیث کی رائے کے سراسر خلاف ہیں ۔ جن میں سے ہی ایک حدیث تو وہی ہے جو صحیحین اور بعض دیگر کتبِ حدیث کے حوالہ سے ''قضاء نماز کیلئے آذان'' کے موضوع

کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ جس میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ فجر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور لشکرِ اسلامی کے سوئے رہ جانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اور وہ نماز سب نے طلوعِ آفتاب کے بعد باقاعدہ آذان اور اقامت کے ساتھ با جماعت ادا کی تھی۔''

اور فجر سے سوئے رہ جانے کا واقعہ بھی کسی ایک حدیث میں نہیں بلکہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں آیا ہے۔ اور سوائے دو ایک میں اذان کا ذکر نہ ہونے کے (جیسا کہ اس کا جواب بھی ذکر کیا جاچکا ہے) سبھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی مرویات میں اذان واقامت اور جماعت کا ذکر ہے اور اگر سوئے رہ جانے والے واقعہ کو صرف ایک مرتبہ ہی شمار کیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ کو اپنے اپنے انداز سے بیان فرمایا ہے۔ جبکہ یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ وہ واقعہ صرف ایک ہی مرتبہ پیش آیا ہو۔ بلکہ عین امکان ہے کہ ایسا واقعہ کئی مرتبہ پیش آیا ہو۔ اور احادیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ویسا واقعہ متعدد دفعہ پیش آیا تھا۔ اور امام نووی رحمہ اللہ نے اسی تعددِ واقعہ کے قول کو ہی ترجیح دی ہے۔

(بحواله شرح الفتح الربانی ۳۰۹/۲)

اس شکل میں ہر واقعہ سے متعلق حدیث مستقل ایک حجت ودلیل ہے کہ قضاء نماز کو بھی باجماعت ادا کرنا ہی مستحب ہے۔

اور واقعۂ خندق یا غزوۂ احزاب کے دوران حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیحین کی حدیث کی رو سے تو صرف نمازِ عصر ہی قضاء ہوئی تھی۔ جبکہ سنن نسائی و مسند شافعی، ابن حبان وابن خذیمہ اور مسند احمد کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی رو سے غزوۂ خندق کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی یکے بعد

دیگرے تین نمازیں ظہر، عصر اور مغرب سبھی قضاء ہوگئی تھیں۔ جبکہ سنن ترمذی ونسائی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں وہ بیان کرتے ہیں:

((أَنَّ الْمُشْرِكِينَ شَغَلُوا النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ الْخَنْدَقِ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ حَتّٰى ذَهَبَ مِنَ اللَّيْلِ مَا شَآءَ اللّٰهُ)).

''مشرکین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ خندق کے دن چار نمازوں سے روکے رکھا حتیٰ کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا، جتنا کہ اللہ نے چاہا''۔

آگے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعِشَاءَ)).

(الفتح الربانی ۲/ ۳۰۹، ترمذی ۱/ ۵۲۳، المنتقی ۱/ ۲/ ۶۰، صحیح النسائی: ۶۳۹)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تو انہوں نے اذان کہی، پھر اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی، پھر اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز پڑھی، پھر اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی۔''

اس حدیث کو نقل کر کے علامہ مجدالدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منتقیٰ الاخبار میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں کہا ہے کہ اس کی سند میں کوئی خاص قابلِ گرفت علت نہیں (لَيْسَ بِإِسْنَادِهِ بَأْسٌ) سوائے اس کے کہ اس کے دوسرے راوی ابوعبیدہ

کا اپنے باپ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع (سُننا) ثابت نہیں جبکہ علامہ البانی نے اسے صحیح نسائی میں نقل کیا ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ اس کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں اور اس کی سند میں کوئی علّت نہیں سوائے ابو عبیدہ کے اپنے باپ سے عدمِ سماع کے۔ اور حفاظِ حدیث نے عدمِ سماع کو ہی یقینی قرار دیا ہے اور الفتح الربانی میں اس کی سند کو جیّد قرار دیا گیا ہے۔

اور موطأ امام مالک میں واقع ایک طریق ایسا بھی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی دو نمازیں یعنی نمازِ ظہر و عصر قضاء ہوئی تھیں۔ (بحوالہ الفتح الربانی)

اِس طرح یہ چار روایات ہیں۔ اور سوئے رہ جانے والی احادیث کی طرح ہی یہ سب بھی قضاء نماز کو با جماعت ادا کرنے کی دلیل ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا حل:

اب رہی یہ بات کہ ایسا کیوں ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے غزوۂ خندق کے موقع پر ایک نمازِ عصر کے قضاء ہونے کا ذکر کیا ہے، بعض نے دو کا، کسی نے تین کا اور کسی نے چار کا؟

① اس اشکال کے حل کیلئے اہلِ علم میں سے بعض نے تو ترجیح کو اختیار کیا ہے۔ اور یعمری نے کہا ہے کہ صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں جو ہے وہ راجح ہے۔ یعنی ترجیح اس بات کو ہے کہ صرف ایک نمازِ عصر ہی قضاء ہوئی تھی۔ اور اس بات کی تصریح کرتے ہوئے امام ابن العربی نے کہا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ مشرکین و کفّارِ قریش نے جس نماز سے روکا تھا وہ صرف ایک نمازِ عصر ہی تھی۔ اور شارحِ بخاری

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ امام ابن العربی کے اس قول کی تائید صحیح مسلم (اور دیگر کتبِ حدیث) میں مروی حضرت علی رضی اللہ عنہ والی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :

((شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلٰوۃُ الْعَصْرِ))

(صحیح مسلم مع النووی ۳/۵/ ۱۲۸ ، صحیح النسائی حدیث : ۴۵۹)

"کفّار نے ہمیں نمازِ وسطیٰ یعنی نمازِ عصر سے روکے رکھا۔"

یہ تو اس اشکال کا ایک حل ہوا کہ بخاری و مسلم والی احادیث چونکہ صحیح تر اور شکوک وشبہات سے بالا ہیں۔لہٰذا یہی کہا جائے کہ صرف نمازِ عصر ہی قضاء ہوئی تھی۔

② دوسری رائے :

بعض اہلِ علم نے دوسری رائے اختیار فرمائی ہے اور ترجیح کی بجائے جمع و تطبیق سے اس اشکال کو حل کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ واقعۂ خندق صرف ایک ہی دن پر نہیں بلکہ کئی دنوں پر مشتمل ہے۔اور یہ مختلف صورتیں، مختلف ایام میں الگ الگ پیش آئیں (یعنی یہ سبھی واقع ہوئیں ۔ لیکن کوئی کسی دن اور کوئی کسی دوسرے دن) اور ابنِ سیّد الناس جیسے بعض اہلِ علم نے اس جمع و تطبیق سے رفعِ اشکال کو اولیٰ قرار دیا ہے۔

(فتح الباری ۲/ ۶۹ ، ۷۰ ، الفتح الربانی ۲/ ۳۱۱)

اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی تین نمازوں کے قضاء ہونے کے ذکر پر مشتمل حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اگرچہ صحیحین کی حدیث میں،صرف ایک نمازِ عصر کا ذکر ہے لیکن اس حدیث اور ایسی ہی دیگر احادیث (جن میں سے کسی میں دو نمازوں کے

قضاء ہونے کا ذکر ہے تو کسی میں چار کا) میں (صحیحین کی حدیث کی نسبت) اضافی بات وارد ہوئی ہے۔ اور اس اضافے کو لینا ضروری ہے۔ (خصوصاً جبکہ اس کی سند بھی قابلِ حجت ہو) اور کسی راوی نے اگر صرف نمازِ عصر کے ذکر پر ہی اکتفاء کیا ہے تو یہ دوسرے (زیادہ نمازوں کو ذکر کرنے والے) راویوں کیلئے ذریعہ تردید وتنقید نہیں بن سکتا۔ جنہوں نے کہ ظہر وعصر یا چار نمازیں کہی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس نے صرف ایک نمازِ عصر کا ذکر کیا ہے۔ اس نے اپنے علم کے مطابق ذکر کیا۔ اور جو اسے معلوم نہیں ہو سکا اس نے ترک کر دیا (اور جنہیں ایک سے زیادہ نمازوں کی تاخیر وقضاء کا علم ہوا، اُنہوں نے زیادہ بیان کر دیں) اور معروف قاعدہ ہے:

(مَنْ عَلِمَ حُجَّةٌ عَلٰی مَنْ لَمْ یَعْلَمْ)

''جسے کسی بات کا علم ہو گیا وہ حجت ہے اس پر جسے اس بات کا علم نہ ہو سکا۔''

اس طرح اس واقعہ کے کئی دنوں میں متعدد بار وقوع پذیر ہونے والی جمع و تطبیق کی بھی ضرورت نہیں رہ جاتی'' (نیل الاوطار ۳۰/۲/۱)

الغرض اس واقعہ کو ایک شمار کر لیں تو یہ ایک دلیل ہے کہ قضاء نماز کی جماعت بھی مستحب ہے۔ اور اگر اسے چار مختلف اوقات میں واقع ہونے والی صورتیں شمار کریں تو یہ چاروں الگ الگ دلیل ہیں کہ قضاء کیلئے نبی اکرم ﷺ نے جماعت کرائی تھی۔

جب حاضر نماز کی جماعت کھڑی ہو؟

اگر کسی کی کوئی نماز قضاء ہو گئی اور حاضر نماز کا وقت بھی بہت ہے بلکہ ابھی ابھی شروع ہی ہوا ہے لیکن جب وہ مسجد میں پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ حاضر یا وقتی نماز کی جماعت کھڑی ہو چکی ہے تو وہ کیا کرے؟

بالکل اسی سے ملتا جلتا سوال شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ سے بھی کیا گیا جو کہ ان کے مجموعۂ فتاویٰ کی جلد ۲۲ ص ۱۰۶ پر مذکور ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ ایک شخص کی نمازِ عصر قضاء ہوگئی۔ جب وہ مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ مغرب کی جماعت ہو رہی ہے۔ کیا وہ قضاء نماز مغرب سے پہلے پڑھے یا نہیں؟ تو حمد وثناءِ باری تعالیٰ کے بعد موصوف نے جواب دیا کہ وہ (عصر پہلے نہ پڑھے) بلکہ وہ امام کے ساتھ شامل ہوکر پہلے مغرب کی نماز پڑھے اور پھر عصر کی نماز پڑھ لے۔ اور اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ لیکن کیا وہ عصر کی نماز کے بعد مغرب کی نماز کو دہرائے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ہمارے علماء کے دو قول ہیں:

پہلا قول :

پہلے یہ کہ دہرائے گا، اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، امام مالک وابوحنیفہ اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد رحمہم اللہ کا قول ہے۔

دوسرا قول :

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نمازِ مغرب کو نہیں دہرائے گا۔ اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام شافعی اور ایک قول میں امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔

اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان دونوں اقوال کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ دوسرا قول (یعنی مغرب کو نہ دہرانے والا) ہی زیادہ صحیح ہے۔ اور آگے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حسبِ استطاعت اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے تو:

(فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ یُوْجِبْ عَلَی الْعَبْدِ اَنْ یُّصَلِّيَ الصَّلٰوۃَ مَرَّتَیْنِ).

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے پر یہ واجب نہیں کیا کہ وہ کسی نماز کو دو مرتبہ

پڑھے۔" (مجموعۂ فتاویٰ ۲۲/ ۱۰۶)

اس سے اگلے سوال کے ضمن میں اُنہوں نے لکھا ہے کہ ترتیب کو واجب قرار دینے والوں کا بھی اس میں اختلاف ہے کہ وقت کی تنگی میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں؟

امام احمد کے مشہور ترین قول میں بات یہ ہے کہ ایسے میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا قول بھی یہی ہے۔ البتہ ان کے ایک غیر معروف قول کے رو سے اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے میں بھی ترتیب ساقط نہیں ہوتی۔ اور زیادہ مشہور ہی زیادہ صحیح ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

(مجموعہ فتاویٰ: ۲۲/ ۱۰۸)

احکامِ سُترہ

اور نمازی کے آگے سے گزرنے کی حرمت

نمازی کے آگے سے گزرنے کی حرمت:

نمازِ پنجگانہ کے فرضوں کے بعد عموماً اور نمازِ جمعہ کے فرضوں کے بعد خصوصاً بعض لوگ عُجلت سے کام لیتے ہیں، اور مسجد سے نکلتے وقت اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ لوگ ابھی نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ ان کے آگے سے ہی گزرے چلے جاتے ہیں، حالانکہ نمازی کے آگے سے گزرنا سخت گناہ ہے، جسکا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم، ابو داؤد ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَّقِفَ أَرْبَعِيْنَ خَيْراً لَهُ مِنْ أَنْ يُّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ))

(نیل الاوطار ۲/ ۳/ ۸، شرح السنہ ۲/ ٤٥٤، مسلم مع النووی ۲/ ٤/ ۲۲٥، الفتح الربانی ۳/ ۱۳۸)

”اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ اسکا کتنا گناہ ہے، تو اسکے لیئے نمازی کے آگے سے گزرنے کی نسبت چالیس تک کھڑے رہنا گوارا ہوتا۔“

راویٔ حدیث ابوالنضر کہتے ہیں:

((لَا أَدْرِيْ قَالَ أَرْبَعِيْنَ يَوْماً أَوْ شَهْراً أَوْ سَنَةً))

”مجھے معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے چالیس دن یا مہینے یا کہ سال فرمایا۔“

امام شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا

گناہِ کبیرہ اور باعثِ عذاب ہے؟اور ظاہراً فرضی اور نفلی نمازوں کے مابین بھی کوئی فرق نہیں۔ (نیل الاوطار ۹/۳)

نمازی کیلئے جائز ہے کہ اگر کوئی شخص اسکے آگے سے گزرنے لگے تو اُسے روکے۔جیسا کہ صحیح مسلم،ابن ماجہ اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّيْ فَلَا يَدَعُ أَحَداً يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَإِنْ أَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّ مَعَهُ الْقَرِيْنُ))

(مسلم مع النووی ٤/ ٢٢٤، نیل الاوطار ٣/٧، الفتح الربانی ٣/ ١٣٣)

''جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہوتو اُسے چاہیئے کہ کسی کو اپنے آگے سے نہ گزرنے دے،اگراُس گزرنے والے نے رکنے سے انکار کردیا تو اُس سے لڑے (یعنی ہاتھ بڑھا کر اُسے روکے) بیشک اُس کے ساتھ شیطان ہے۔''

جبکہ بخاری،مسلم،ابوداؤداورنسائی میں ہے:

''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے سامنے کسی چیز کو سترہ بنا کر نماز پڑھ رہا ہو اور پھر بھی کوئی شخص اسکے آگے سے گزرنا چاہے،تو اُسے ہٹائے اور اگر وہ نہ مانے تو اُس سے لڑے:

((فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ))

''اس لئے کہ (جو ہٹائے نہ ہٹے) وہ شیطان ہے۔''

(نیل الاوطار ٢/٣/ ٧، الفتح الربانی ١٣٣/٣، شرح السنه ٢/ ٤٥٥، مسلم ٢/٤/ ٢٢٣)

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ طواف کے دوران نمازی کے آگے سے گزرنے کی گنجائش ہے،جبکہ وہ روایات متکلّم فیہ ہیں۔لہٰذا بہتر یہی ہے کہ وہاں بھی

احتیاط سے کام لیا جائے۔

(نیل الاوطار ۹/۳/۲ ، فقه السنه ۱/ ۲۵۸، المناسك للالبانی ص: ۲٤)

نمازی کے آگے سے گزرنے کی جو حرمت صحیح احادیث میں آئی ہے، ان میں مطلق نمازی کے آگے سے گزرنے کی ممانعت ہے اور کوئی حد بندی نہیں کہ کتنی دور تک آگے سے گزرنا منع ہے؟ اور کتنی دور ہو تو گزر سکتا ہے؟ اور احادیث میں اس بات کی صراحت نہ ہونے کی وجہ سے آئمہ وفقہاء میں اس مسافت کی تحدید میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ الفقه علی المذاهب الأربعه میں چاروں مذاہب کی الگ الگ آراء مذکور ہیں۔ احناف کے نزدیک اگر انسان کسی بڑی مسجد یا کھلے میدان میں نماز پڑھ رہا ہو، تو اس کے پاؤں اور جائے سجدہ کے درمیانی فاصلہ سے گزرنا حرام ہے۔ اور اگر کسی چھوٹی سی مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو تو یہ فاصلہ نمازی کے پاؤں سے لے کر مسجد کی سامنے والی دیوار تک ہے۔ اور اسکا اندازہ چالیس ہاتھ ہے۔

مالکیہ کے نزدیک اگر نمازی نے اپنے سامنے سُترہ نہیں رکھا، تو یہ فاصلہ اسکے رکوع اور سجدہ کی جگہ تک ہے ورنہ سترہ تک۔

شافعیہ کے نزدیک یہ فاصلہ نمازی کے پاؤں سے لیکر تین ہاتھ تک ہے، اور یہ اُسوقت ہے جبکہ اُس نے اپنے سامنے سترہ رکھا ہوا ہو، اور اگر اس نے سترہ نہ رکھا ہوا ہو، تو پھر اس کے آگے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں۔

حنابلہ کے نزدیک اگر نمازی نے اپنے سامنے سترہ نہیں رکھا ہوا تو یہ فاصلہ تین ہاتھ تک ہے، ورنہ سترہ تک۔ (الفقه علی المذاهب الاربعه ۱/ ۲۷۳)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ''یہ حرمت اس وقت ہے جب گزرنے والا، نمازی اور اس کی جائے سجدہ کی درمیانی جگہ سے گزرے اور کہا گیا ہے کہ جب نمازی اور گزرنے والے کے مابین تین ہاتھ (یا اس سے کم) دوری ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نمازی اور

گزرنے والے کے مابین پتھر پھینکنے کی مسافت۔

(تحفہ الاحوذی ۲/ ۳۰۳، وعون المعبود ۲/ ۲۹۶، الفتح الربانی ۱/ ۵۸۵)

الغرض بہتر تو یہ ہے کہ ارشاداتِ رسول ﷺ پر عمل کرتے ہوئے نمازی کے آگے سے گزرا ہی نہ جائے اور کبھی مجبوری ہو تو پھر اتنا دور (پانچ چھ صفوں کے فاصلے) سے گزرے کہ نمازی کے خشوع وخضوع میں خلل انداز نہ ہونے پائے۔

دیگر مسائل واحکام سُترہ:

① سترہ کا لغوی معنیٰ پردہ یا اوٹ ہے، جبکہ شرعی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ انسان نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے، تا کہ کوئی شخص اسکے آگے سے نہ گزرے۔

② نمازی کیلئے اپنے سامنے بطورِ سترہ کوئی چیز رکھنا مستحب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری ومسلم اور ابوداؤد وابن ماجہ میں مروی ہے کہ نبی ﷺ جب عید کے دن نکلتے تو ایک نیزہ ساتھ لے جانے کا حکم فرماتے:

((فَتُوْضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّيْ إِلَيْهَا وَالنَّاسُ وَرَآءَهٗ))

''اُسے آپ ﷺ کے سامنے گاڑ دیا جاتا ؟ اور آپ ﷺ اس کی طرف نماز پڑھتے اور لوگ آپ ﷺ کے پیچھے ہوتے تھے۔''

آپ ﷺ سفر میں بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اور بعد میں خلفاء وامراء نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔

(مسلم ۴/ ۲۱۸، شرح السنہ ۲/ ۴۵۲، الفتح الربانی مختصراً ۳/ ۱۲۹، ابو داؤد ۲/ ۳۸۱)

بعض روایات میں نبی ﷺ کا بغیر سترہ کے نماز ادا کرنا بھی وارد ہوا ہے۔

(ابو داؤد ، بیھقی ، احمد ، ابو یعلی ،الفتح الربانی ۳/ ۱٤٤_۱٤٥، فقہ السنہ ۱/ ۲٥۸)

لہذا سترہ کومستحب کہا گیا ہے،اگر یہ واجب ہوتا تو نبی ﷺ ایسا نہ کرتے۔

③ امام شوکانی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے کسی فعل اور ہماری نسبت آپ ﷺ کے ارشاد میں کوئی تعارض نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شوکانی سترے کو واجب سمجھتے ہیں ۔ اور ان کا استدلال ابوداؤد اور ابن ماجہ میں مذکور اس ارشادِ نبوی ﷺ سے ہے:

((إِذَا صَلَّ أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَىٰ سُتْرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْهَا))

''جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے ،تو اُسے چاہیئے کہ سترہ کی طرف پڑھے،اوراسکے قریب ہوکر کھڑا ہو۔''

(النیل ۲/۳/۲ ،فقہ السنہ ۱/ ۲٥٥)

سنن ابی داؤد ،طبرانی کبیر اور الاحادیث المختارہ للضیاء المقدسی میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے :

((لَا يَمُرُّ الشَّيْطَانُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا))

(صحیح الجامع ۱/۱/ ۲۳٤)

''تاکہ اس کے اور سترہ کے مابین سے شیطان نہ گزرنے پائے۔''

جبکہ ابو داود ، نسائی ، ابن حبان ، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے :

((إِذَا صَلَّىٰ أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَىٰ سُتْرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْ سُتْرَتِهِ، لَا يَقْطَعُ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ صَلَاتَهُ))

(صحیح الجامع ۱/۱/ ۲۳۸)

''تم میں سے جب کوئی نماز پڑھے،تو سامنے سترہ رکھ لے،اور اس کے قریب کھڑا ہو،تاکہ شیطان اس کی نماز نہ توڑنے پائے۔''

اس بات کی تائید ابوداوٗد،ابن ماجہ،مسند احمد،ابن حبان اور بیہقی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے،جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ شَيْئاً فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُنْصِبْ عَصاً فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ مَعَهُ فَلْيَخُطَّ خَطّاً وَلَا يَضُرُّهُ مَا مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ))

(ابو داؤد ۲/ ۳۸۲،النیل ۲/ ۳/ ٤ و نقل تحسین الحافظ له ، شرح السنه ۲/ ٤٥١، الفتح الربانی ۳/ ۱۲۸، ضعفه البغوی و الارناؤوط ،و ضعفه الألباني ، ضعيف ابی داؤد ص: ٦٤ و ضعيف ابن ماجه ص: ۷۱)

''جب تم میں کوئی شخص نماز پڑھے،تو اُسے چاہیئے کہ اپنے سامنے کسی چیز کا سترہ بنالے۔اگر کوئی چیز بھی پاس نہ ہو،تو اپنے سامنے لکیر لگالے۔تب اس کے سامنے سے گزرنے والی کوئی چیز اس (کی نماز) کو نقصان نہیں پہنچائے گی۔''

جبکہ امام سفیان سے امام ابوداوٗد نے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

((فَلَمْ نَجِدْ شَيْئاً نُشَبِّهُ بِهِ هَذَا الْحَدِيْثِ وَلَمْ يَجِئْ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ)) (ضعيف ابی داؤد ص: ٦٤)

''ہمیں کوئی ایسی چیز نہیں مل رہی کہ جس کے مشابہ اس حدیث کو قرار دیں اور یہ مروی بھی صرف اس ایک ہی طریق سے ہے۔''

نیل الاوطار اور سنن ابی داؤد میں اس لکیر کا طریقہ بھی بالتفصیل مذکور ہے ،جس میں امام احمد سے منقول ہے کہ اس طرح لکیر کھینچے کہ جیسے ہلال ہوتا ہے یعنی اپنے

سامنے محراب یا ہلال نما لکیر لگا لینا بھی سترے کا کام دے جائے گا۔

(سنن ابی داؤد مع العون ۲/ ۳۸٤، النیل ۲/۳/ ٤-٥)

ابن ہانی نے امام احمد سے سترے کا وجوب نقل کیا ہے۔

(مسائل الامام احمد لابن ھانی ۱/ ٦٦، بحواله حاشيه صحيح الجامع ۱/ ۱۷۳)

اوراس کی تائید کئی کبار اہلِ علم نے بھی کی ہے۔

④ ابوداؤد و ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث کے الفاظ ((وَلْيَدْنُ مِنْهَا)) کی بناء پر اہلِ علم نے سترے کے قریب ہو کر نماز ادا کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ بخاری و مسلم میں نمازی اور سترے کی مسافت صرف بکری کے گزرنے کی جگہ اور مسند احمد ونسائی میں تین ہاتھ مذکور ہے۔

(نیل الاوطار ۲/۳/ ۳، فقه السنه ۱/ ۲۵۷)

⑤ یہ بھی مستحب ہے کہ جس چیز کا سترہ بنایا جائے، اُسے اپنے عین سامنے نہیں، بلکہ تھوڑا سا دائیں یا بائیں بلکہ دائیں ہی رکھا جائے، جیسا کہ ابو داؤد اور مسند احمد میں حضرتِ مقداد بن اسود اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب بھی نبی ﷺ کو کسی لکڑی، ستون یا درخت کا سترہ بنا کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو یہی دیکھا کہ آپ ﷺ اُسے (ناک کی سیدھ میں رکھنے کی بجائے) اپنے کچھ دائیں یا بائیں کیئے ہوئے ہوتے تھے۔

(ابو داؤد ۲/ ۳۸٦، الفتح الربانی ۳/۱۳۱، النیل ۲/۳/ ٥، شرح السنه ۲/ ٤٤٨ ضعیف ابی داؤد ص: ٦٥، مشکوٰۃ ۱/ ۲٤۳)

⑥ اس حدیث کے پیشِ نظر ان نمازیوں کو اپنی اصلاح کر لینی چاہیئے جو مساجد میں ستونوں کی اوٹ میں اسطرح نماز ادا کرتے ہیں کہ ستون ان کی بالکل ناک کی سیدھ میں ہوتے ہیں، جسکا اندازہ تیل کے ان دھبوں سے ہی لگایا جاسکتا ہے جو

عموماً ستون کی مشرقی جانب لگے ہوتے ہیں۔ستون کو عین سامنے رکھنا منع ہے یا کم از کم خلافِ سنت ہے اور صحیح یہ ہے کہ اُسے تھوڑا سا دائیں جانب رکھا جائے۔

⑦ نبی ﷺ سے ستون، درخت، سواری، اونٹ کے کجاوے، دیوار اور ایسی چارپائی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ثابت ہے جس پر کہ کوئی شخص لیٹا ہو۔

(ابواب السترہ فی کتب الحدیث)

⑧ شرح السنہ بغوی میں حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شریک رحمہ اللہ نے ہمیں نماز پڑھائی اور اپنے سامنے اپنی ٹوپی بطورِ سترہ رکھ لی۔

(حوالہ سابقہ)

⑨ متعدد صحیح احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ باجماعت نماز کی شکل میں صرف امام کا اپنے سامنے سترہ رکھ لینا، مقتدیوں کی طرف سے بھی کفایت کر جاتا ہے۔

(انظر الاحادیث فی فقہ السنہ ۱/ ۲۵۷)

⑩ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ عورت، گدھے اور کتے کے نمازی کے آگے سے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، جبکہ بعض احادیث سے اس کی نفی ہوتی ہے۔لہٰذا اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے نزدیک کوئی چیز نماز کو نہیں توڑ سکتی۔

(نیل الاوطار ۳/ ۱۰، شرح السنہ ۲/ ۴۵۴، تحفہ الاحوذی ۲/ ۳۰۵، عون المعبود ۲/ ۳۹۴، المحلّٰی لابن حزم و تحقیقہ لاحمد شاکر ،وَهُوَ الَّذِي ذَكَرَ تَحقِيقاً يَدُلُّ عَلَىٰ نَسخِ القَطعِ ۴/ ۵ـ۱۴ـ۱۵ـ۱۸)

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ابوسلمان **محمد منیر قمر** نواب الدین

اُم القیوین مُتحدہ عرب امارات (الخبر، سعودیہ)

کتابیات

* قرآن کریم
* إرواء الغلیل،للعلامہ البانیؒ
* الاختیارات الفقهیة،للامام ابن تیمیهؒ
* بلوغ الأمانی بشرح الفتح الربانی،
* شرح مسند احمد، علامه احمد البناء
* تحفة الأحوذی،للعلامہ عبدالرحمن مبارکپوری
* ترمذی مع تحفة الأحوذی،للامام ترمذی
* تعظیم قدر الصلاہ،للمروزی
* تنویر الحوالك،للامام السیوطی
* التلخیص الحبیر ،حافظ ابن حجر عسقلانی
* المصابیح ،للبغوی
* تمام المنة ،للالبانی
* جامع الأصول،لابن الاثیر
* سبل السلام،للعلامہ صنعانی
* الأحادیث الضعیفہ،للعلامہ البانی
* سنن ابی داؤد مع العون،امام ابوداؤد
* سنن ترمذی،بتحقیق عبدالوھاب
* سنن کبریٰ بیہقی

* السیل الجرار ،للعلّامہ شو کانی
* سنن دارمی
* سنن ابن ماجہ ،بتحقیق محمد فؤاد
* سنن نسائی (مع التعلیقات السلفیہ
* سلسلہ الاحادیث الصحیحہ للالبانی
* شرح السنہ ،للبغوی
* صحیح بخاری مع الفتح
* صحیح الجامع الصغیر،للعلامہ البانیؒ
* صحیح مسلم مع النووی
* صلوۃ الرسول ﷺ ،حکیم مولانا محمد صادق سیالکوٹی
* صحیح ابن خذیمہ ،بتحقیق الاعظمی
* صحیح ابی داود ،للالبانی
* صحیح الترمذی ،للالبانی
* صحیح ابن حبان ۔ الاحسان
* ضعیف ابن ماجہ،للعلامہ البانی
* ضعیف الجامع الصغیر ،للالبانی
* سنن دارقطنی ،امام دارقطنی
* فتاوی اہلحدیث،للمحدّث روپڑی
* فتاوٰی ثنائیہ،لمولانا ثناء اللہ امرتسری
* فتاوٰی علمائے حدیث،لمولانا علی محمد سعیدی

* فتاوٰی نذیریہ،لشیخ المشائخ سید نذیر حسین
* فتح الباری،للعلامہ ابن حجر عسقلانی
* الفتح الربانی،للعلامہ احمد عبدالرحمن البنّا
* الفتح الربانی،للعلامہ احمد عبدالرحمن البنّا
* فقہ السنہ،للسید سابق
* فقہ الصلاۃ،محمد منیر قمر
* الفقہ علیٰ المذاہب الأربعہ،للعلامہ جزیری
* المجموع شرح المہذّب،للامام نووی
* مجموع الفتاوٰی،لابن تیمیہ
* المحلی،لابن حزم۔ تحقیق احمد شاکر
* مختصر صحیح البخاری،للعلامہ البانی
* مختصر صحیح مسلم، بتحقیق الألبانی
* عون المعبود شرح ابو داؤد،للعلامہ شمس الحق ڈیانوی
* مسند احمد،بفہرس الالبانی
* مسند ابو یعلیٰ
* مشکاۃ، بتحقیق البانی
* مصنف عبدالرزاق
* المعجم المفہرس لألفاظ القرآن الکریم
* محمد فؤاد عبدالباقی
* معارف الحدیث،للنعمانی
* معالم السنن،للخطابی

❊ المغنی،للامام ابن قدامه

❊ مناسك الحج و العمرة،للعلامه البانی

❊ منتقیٰ الأخبار،للمجد ابن تیمیه

❊ مؤطأ امام مالك

❊ موارد الظمآن بزوائد ابن حبان ،الهیثمی

❊ مستدرك حاكم

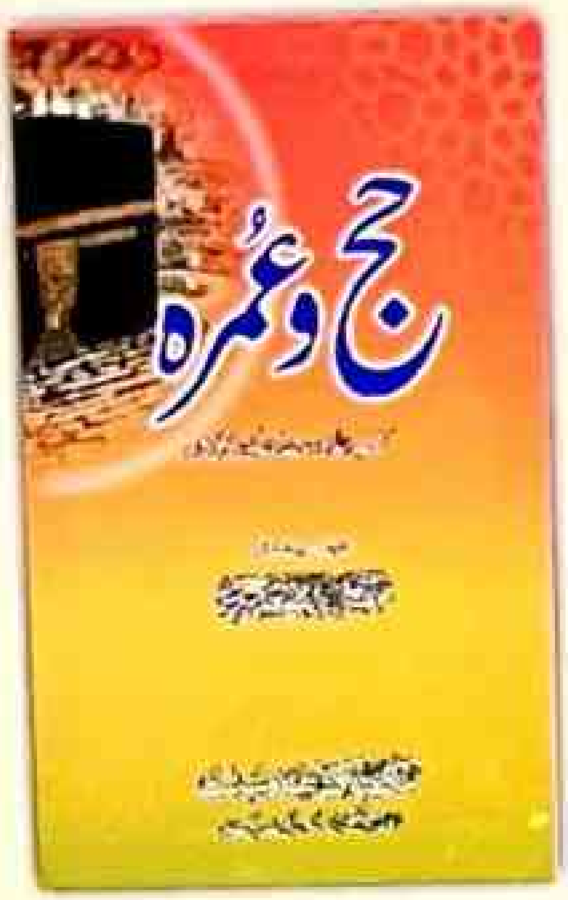
❊ نیل الأوطار،للامام شوكانی

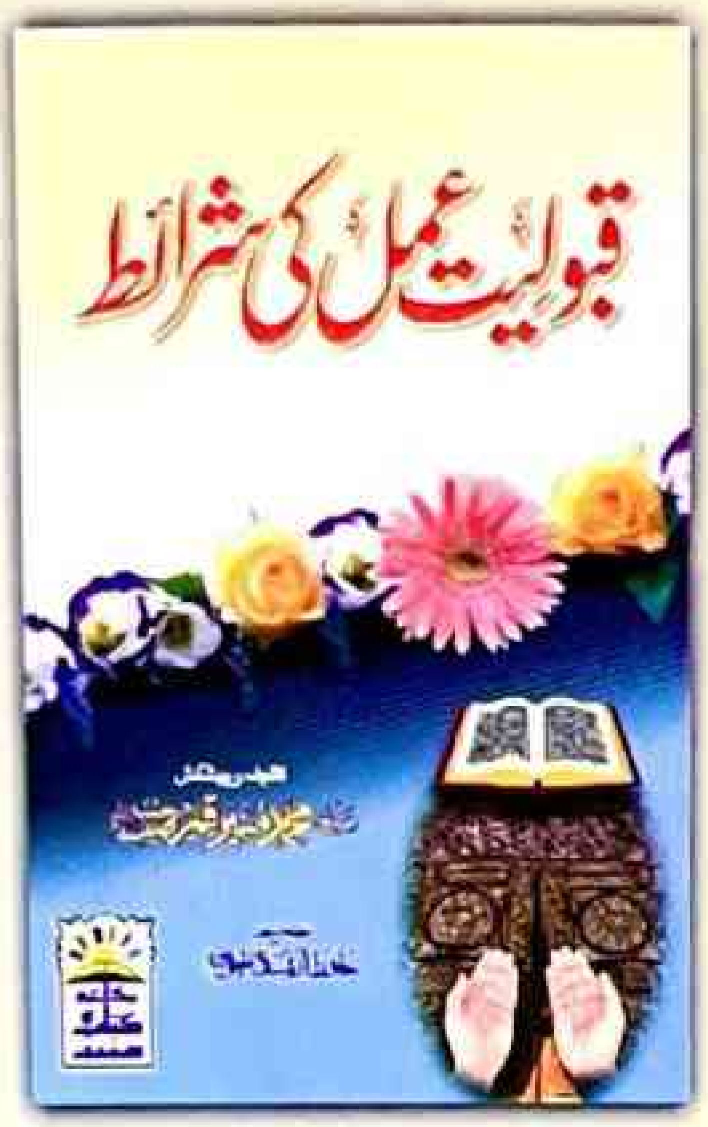
❊ مرعاة شرح مشكاة،للعلامه عبیدالله مباركپوری

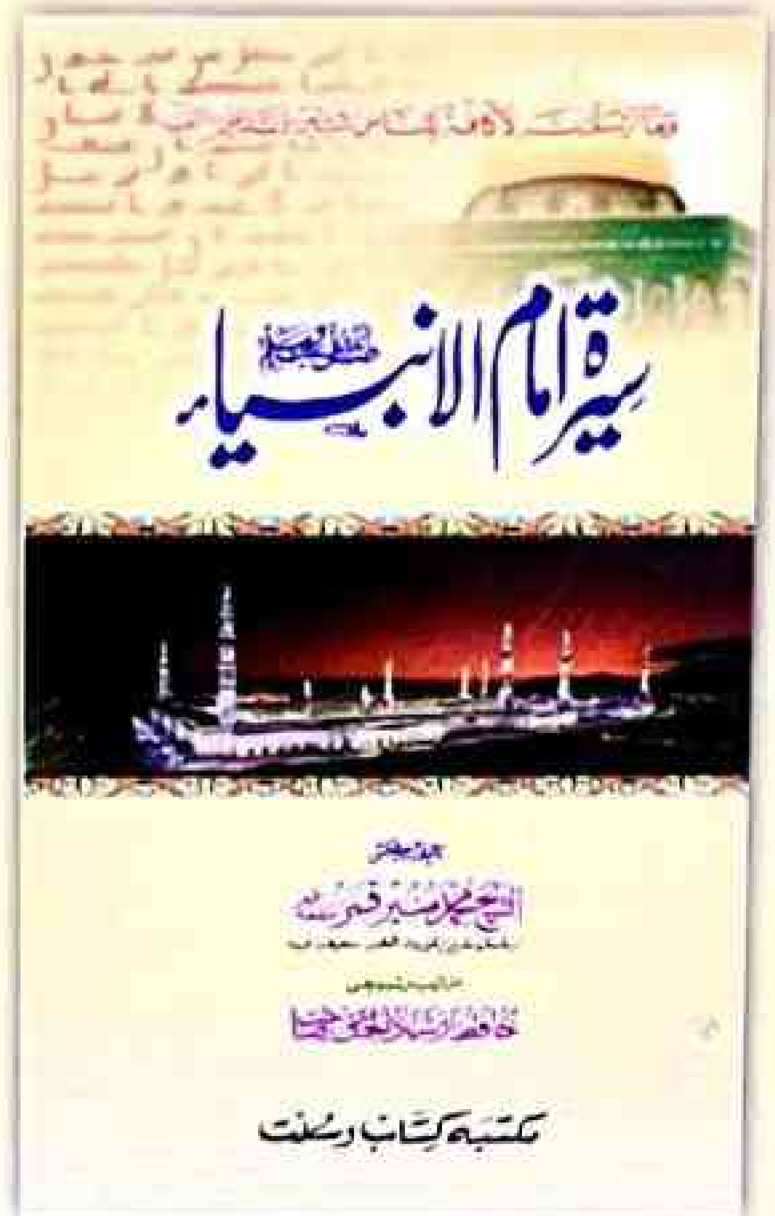
جرائد و مجلات

❊ هفت روزه الاعتصام، لاهور ۔

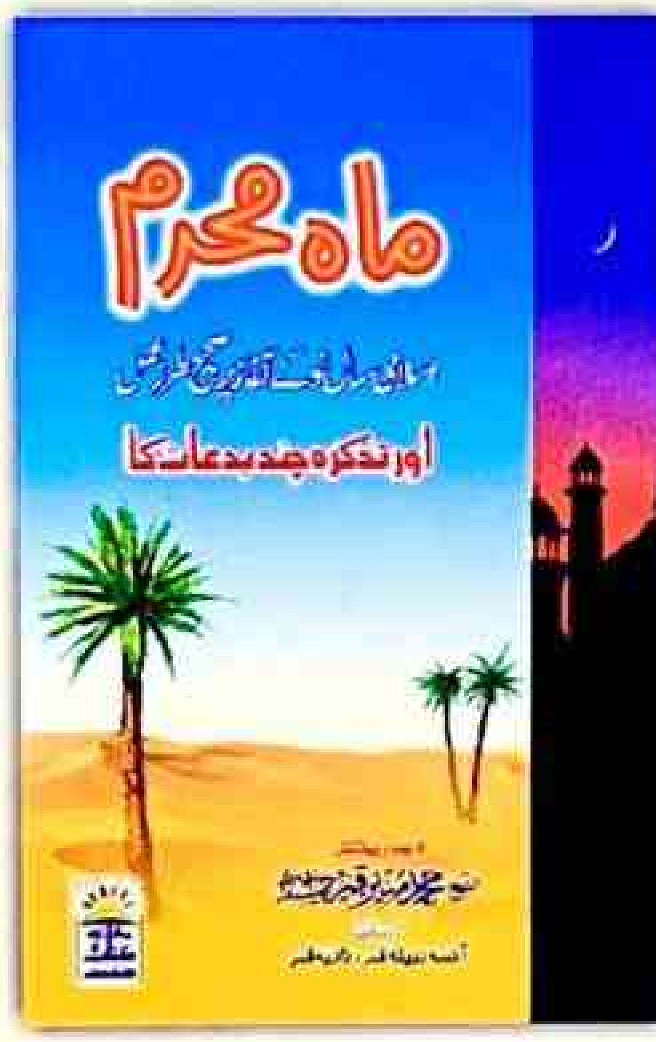
❊ ماهنامه محدّث ،لاهور

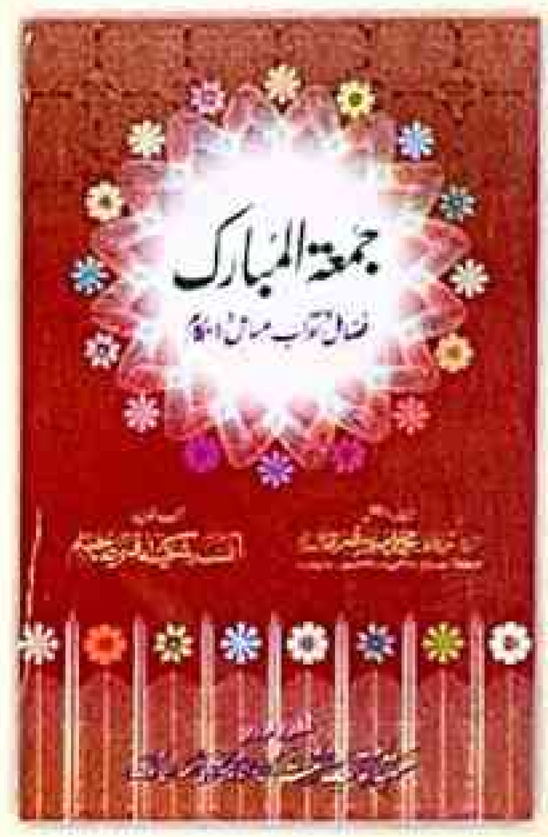


















مکتبہ کتاب وسنّت